Www.kashmirulyoum.com.pk

کشمیری عوام کی امنگوں کا ترجمان

راولپنڈی

ماھنامہ کشمیر الیوم

(رجسٹرڈ)

جلد نمبر 21، شمارہ نمبر 3، اکتوبر 2023ء/ربیع الاول/ربیع الثانی ۱۴۴۵ھ

مدیرِ اعلیٰ : شیخ محمد امین

مدیر : فاروق احمد

نمائندگان

شمالی پنجاب : ارشد ایوب

آزاد جموں و کشمیر : غازی محمد اعظم

گلگت بلتستان : عبدالہادی بونجوی

سرینگر : سید مزمل حسین سہروردی

جموں : وجے کمار رینا

لداخ : جعفر حسین علوی

لندن : انوار الحق

نیو یارک : فائزہ نذیر

ڈیزائننگ : شیخ ابو حماد

کمپوزنگ :

منیجر فائنانس / سرکولیشن : شبیر یوسف

معاون سرکولیشن : طارق احمد

انچارج شعبہ اشتہارات : راجہ محمد شفیق

ویب انچارج : ڈاکٹر بلال احمد

مجلس مشاورت

متین فکری

عرفان صدیقی

حامد میر

سرور منیر راؤ

رُباب عائشہ

عاصم قدیر رانا

اس شمارے میں

اداریہ	کشمیر سے کینیڈا تک	چیف ایڈیٹر کے قلم سے	3
گرداب	کینیڈا بھارت کشیدگی	سید عارف بہار	4
فکر و نظر	شیخ تجمل اسلامؒ	شہباز بڈگامی	6
انٹرویو	مرکزی نائب امیر جماعت اسلامی گلگت بلتستان	شیخ محمد امین	9
خصوصی رپورٹ	تحریک آزادی کشمیر کے روشن ستارے	کلیم اللہ، محمد رضا	12
اظہار خیال	پاکستان مملکت خداداد کیوں ہے؟	شہزاد منیر احمد	13
گوشہء اسلام	سیرت محمدی کا پیغام امت محمد کے نام	ابن رومی	17
گوشہء اسلام	دجال کون ہے؟	ڈاکٹر عبدالرؤف	21
تذکرہ شہداء	کمانڈر حیدر علی شہیدؒ	غازی اویس	23
شخصیت	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	ریحان ہاشمی	25
اظہار خیال	اسرائیلی دانشوروں کا یہودی قیادت پر عدم اعتماد	ڈاکٹر ساجد خاکوانی	26
نظم	مظلوم کشمیر	انعام الحق انعام	28
آئینہ	کیا کشمیری تنہا رہ جائیں گے؟	محمد احسان مہر	29
فکر و نظر	ابو قاسم کشمیری شہید کون تھے؟	عروج آزاد	31

ماہنامہ کشمیر الیوم میں شائع ہر کالم، کالم نگار کی ذاتی آراء پر مبنی ہوتا ہے، جس سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں (چیف ایڈیٹر)

پبلشر : خواجہ محمد شہباز

مقامِ اشاعت : D-1005، سیٹلائیٹ ٹاؤن، راولپنڈی

مطبع : والضحیٰ پرنٹرز، قیصر پلازہ، صدر، راولپنڈی

Regd. No. 885

Mails. B/NPR-234

قیمت 50 روپے، سالانہ زرتعاون 500 روپے

خط وکتابت اور رابطہ کیلئے: دفتر ماہنامہ ''کشمیر الیوم'' NA/300-A نیو ملپور ڈبل روڈ راولپنڈی Kashmirulyoum2014@gmail.com, 051-4934369

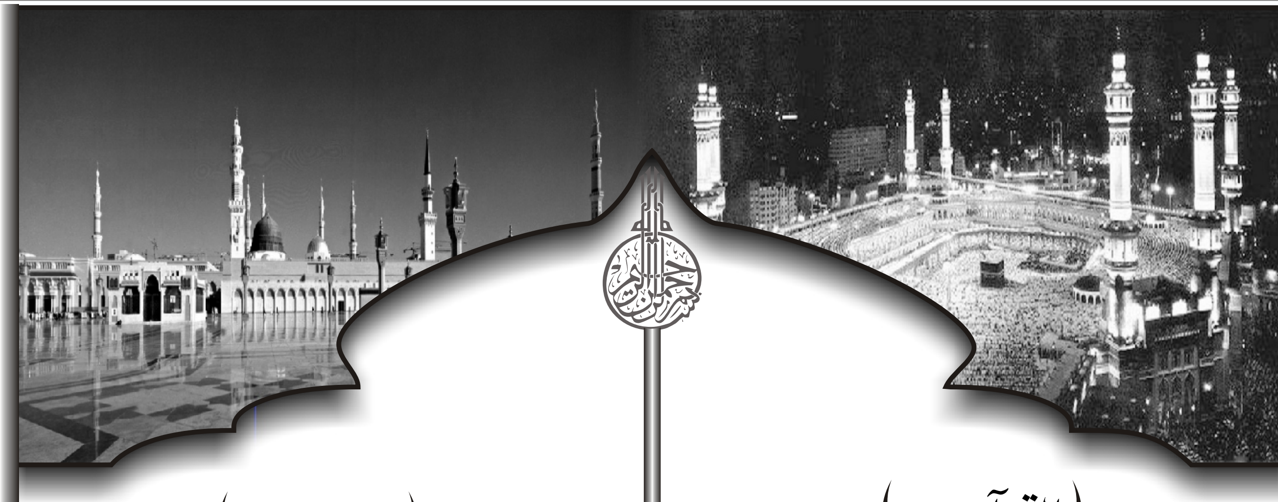

القرآن

کیسی بدتر جائے وُرُود ہے یہ جس پر کوئی پہنچے!

شعیبؑ نے کہا بھائیو” کیا میری برادری تم پر اللہ سے زیادہ بھاری ہے کہ تم نے (برادری کا تو خوف کیا اور) اللہ کو بالکل پسِ پشت ڈال دیا؟ جان رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو وہ اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہے۔ اے میری قوم کے لوگو، تم اپنے طریقے پر کام کیے جاؤ اور میں اپنے طریقے پر کرتا رہوں گا، جلدی ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کس پر ذلّت کا عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ تم بھی انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ چشم براہ ہوں۔“ آخرِ کار جب ہمارے فیصلے کا وقت آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے شعیبؑ اور اس کے ساتھی مومنوں کو بچا لیا اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو ایک سخت دھماکے نے ایسا پکڑا کہ وہ اپنی بستیوں میں بے حسّ و حرکت پڑے کے پڑے رہ گئے، گویا وہ کبھی وہاں رہے بسے ہی نہ تھے۔ سنو! مَدیَن والے بھی دور پھینک دیے گئے جس طرح ثمود پھینکے گئے تھے اور موسیٰؑ کو ہم نے اپنی نشانیوں اور کھلی کھلی سَندِ ماموریّت کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیانِ سلطنت کی طرف بھیجا، مگر انھوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا حکم راستی پر نہ تھا۔ قیامت کے روز وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور اپنی پیشوائی میں انہیں دوزخ کی طرف لے جائے گا۔ کیسی بدتر جائے وُرُود ہے یہ جس پر کوئی پہنچے! اور ان لوگوں پر دنیا میں بھی لعنت پڑی اور قیامت کے روز بھی پڑے گی۔ کیسا بُرا صِلہ ہے یہ جو کسی کو ملے! یہ چند بستیوں کی سرگزشت ہے جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں۔ ان میں سے بعض اب بھی کھڑی ہیں اور بعض کی فصل کٹ چکی ہے۔

سورہ ہود آیت نمبر 92 تا 100 تفہیم القرآن سید ابُو الاعلیٰ مودودیؒ

الحدیث

قصاص احادیث کی روشنی میں

حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی مسلمان کا، جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، خون حلال نہیں، مگر تین میں سے کسی ایک صورت میں (حلال ہے): شادی شدہ زنا کرنے والا، جان کے بدلے میں جان (قصاص کی صورت میں) اور اپنے دین کو چھوڑ کر جماعت سے الگ ہو جانے والا۔“ ”مسلم شریف“

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی ذی روح (انسان) کو ظلم سے قتل نہیں کیا جاتا مگر اس کے خون (گناہ) کا ایک حصہ آدم کے پہلے بیٹے پر پڑتا ہے کیونکہ وہی سب سے پہلا شخص تھا جس نے قتل کا طریقہ نکالا“ ”مسلم شریف“

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ یہود کے ایک آدمی نے انصار کی ایک لڑکی کو اس کے زیورات کی خاطر قتل کر دیا، پھر اسے کنویں میں پھینک دیا، اس نے اس کا سر پتھر سے کچل دیا تھا، اسے پکڑ لیا گیا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اسے مرجانے تک پتھر مارنے کا حکم دیا، چنانچہ اسے پتھر مارے گئے حتی کہ وہ مر گیا“ ”مسلم شریف“

کشمیر سے کینیڈا تک۔۔۔بھارتی عزائم بے نقاب

مقبوضہ ریاست جموں وکشمیر اکتوبر 1947 سے قابض بھارتی فوجیوں کے نرغے میں ایک بڑے قید خانے میں تبدیل ہوچکی ہے۔صبح وشام گولیوں کی گن گرج، جلاؤگھیراو،شہادتیں،گرفتاریاں اب عام معمول بن چکی ہیں۔نوجوان نسل کو منصوبہ بند طریقے سے تہ تیغ کیا جارہا ہے۔قابض فوجیوں کے خلاف حریت پسند عوام کی آواز کو خاموش کرنے کیلئے فوجی قوت کا بے تحاشا استعمال کیا جارہا ہے۔خونین اورافسوسناک سرکاری دہشت گردی کا کھیل پوری قوت سے جاری ہے۔ ہزاروں حریت پسند اور پُرامن شہری جن میں بزرگ، جوان، خواتین اور بچے شامل ہیں، بھارتی زندانوں اورعقوبت خانوں میں شدید مصائب و مشکلات برداشت کرتے ہوئے انتہائی کربناک زندگی گزار رہے ہیں۔اپنے ناجائز قبضے کو مستحکم کرنے کیلئے ریاست کا مسلم اکثریتی تشخص تبدیل کرنے کی منصوبہ بند کوششیں شدومد سے جاری ہیں۔ریاستی انتظامیہ اورایڈمنسٹریٹو سروسز سے مسلمانوں کو بتدریج بے دخل کیا جارہا ہے۔اسوقت ریاستی انتظامیہ کے کلیدی عہدوں پر غیر ریاستی افراد براجمان ہیں۔کشمیری ملازمین کو بغیر کسی وجہ اور قانونی تقاضے پورے کئے بغیر ملازمتوں سے فارغ کیا جارہا ہے۔تحریک آزادی کے ساتھ وابستگی کے بہانے رہائشی مکانوں اور جائیداد واملاک سے بالجبر لوگوں کو بے دخل کرکے کھلے آسماں تلے بے سروسامانی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا جارہا ہے۔غیر ریاستی باشندوں کو بسا کر ریاست کا مسلم اکثریتی تشخص اقلیت میں تبدیل کیا جارہا ہے۔قابض بھارتی افواج کا معاملہ اب صرف مقبوضہ کشمیر تک محدود نہیں رہا بلکہ گزشتہ ایک برس سے اب اس کی سراغ رساں ایجنسیاں پاکستان میں آباد کشمیری مہاجرین کو بھی زندہ رہنے کے حق سے محروم کرنے کا واضح اشارہ دے چکی ہیں۔رواں برس 20 فروری کو برماٹاون راولپنڈی میں معروف حریت پسند رہنما امتیاز عالم اور 9 ستمبر 2023ء کو ریاض احمد المعروف ابوقاسم کو قاتلانہ حملوں کے نتیجے میں جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔پاکستانی پولیس اور انٹلی جنس ذرائع کے مطابق دونوں واقعات میں بھارتی خفیہ ایجنسی را کا ہاتھ ہے۔اخباری اطلاعات کے مطابق ریاض احمد کا قاتل کراچی ائیر پورٹ پر ملک سے فرار ہونے کی کوشش کے دوران گرفتار ہوا۔ملزم کی نشاندہی پر کچھ اور لوگ بھی پکڑے گئے ہیں اور کہا جارہا ہے یہ لوگ را کی ایما پر اپنی کارائیاں انجام دے رہے تھے۔امتیاز عالمؒ اور ریاض احمدؒ کی شہادت سے یہ ثابت ہورہا ہے کہ بھارتی عزائم انتہائی خوفناک ہیں۔اکھنڈ بھارت کا جو خواب وہ دیکھ رہے ہیں لگتا ہے کہ اس کی تکمیل کیلئے انہوں نے باقاعدہ اپنی کوششوں کا آغاز کیا ہے۔مقبوضہ کشمیر کے حوالے سے معذرت خواہانہ رویے کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ اب معاملات آہستہ آہستہ بے قابو ہوتے جارہے ہیں۔تاریخ گواہ ہے کہ کشمیری پرامن قوم ہیں۔امن چاہتے ہیں لیکن کشمیری یہ بھی جانتے اور سمجھتے ہیں کہ قبرستان کی خموشی اور حقیقی امن میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔حقیقی امن جب تک قائم نہیں ہوگا،اس خطے میں مصنوعی اقدامات کرکے امن قائم نہیں ہوسکتا بلکہ ان مصنوعی اقدامات کے نتیجے میں اکھنڈ بھارت کے نظریئے کو فروغ ملے گا۔عالمی برادری کو بھی یہ احساس کرنا ہوگا کہ اگر مسئلہ کشمیر کو کشمیری عوام کی خواہشات کے مطابق حل نہ کیا گیا تو پھر نہ صرف برصغیر جنوبی ایشیا بلکہ پوری دنیا کا امن خطرے میں پڑ جائیگا۔جیسا کہ کینیڈا سے اس کی شروعات ہوچکی ہیں۔طاقت کے زعم میں کینیڈا کے اندر جاکر وہاں کی سالمیت اور خودمختاری کو چیلنج کرکے خالصتان تحریک کے ایک اہم رہنما ہردیپ سنگھ نجر کو قتل کیا جاتا ہے اور پھر بھارتی میڈیا پر سابق جرنیل کینیڈا پر ایٹمی حملہ کرنے کی دھمکی بھی دیتے ہیں۔کینیڈا نے بظاہر سخت جواب دیا لیکن بھارتی فاشسٹ حکومت ٹس سے مس نہیں ہورہی۔وہ اسے کوئی جرم نہیں سمجھتی بلکہ تاثر یہ دے رہی ہے کہ آنیوالے وقت میں اس سے بھی بڑی بڑی کاروائیاں کی جاسکتی ہیں۔شاید بھارتی قیادت اس حد تک اپنے سامراجی عزائم ظاہر نہ کرتی لیکن عالمی امن کے ٹھیکیداروں نے اسے مقبوضہ جموں و کشمیر میں انسانی حقوق کی پامالیوں پر جو چھوٹ دی ہے، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ اب کینیڈا کی حدود میں بھی داخل ہوگئی۔ابھی وقت ہے کہ دنیا کی طاقتور اور آزاد قومیں معیشت اور تجارت کے نام پر بلیک میل نہ ہوجائیں۔کیونکہ پھر نہ صرف ساوتھ ایشیا بلکہ پوری دنیا کی آزادی اور امن شدید خطرے سے دوچار ہوجائے گا۔اللہ رحم فرمائے

☆☆☆

کینیڈا بھارت کشیدگی کا لاوا پھٹ پڑا

سید عارف بہار

بھارت میں جی ٹونٹی ملکوں کی کانفرنس میں بدمزگی کے صرف دو پہلو تھے ایک کانفرنس کے آغاز سے قبل تو دوسرا کانفرنس کے دوران نمایاں ہو گیا تھا۔ پہلی بدمزگی تو یہ تھی کہ روس اور چین نے اس کانفرنس میں اپنی شرکت کا درجہ گھٹا دیا تھا یعنی سربراہی کانفرنس میں صرف وزرائے خارجہ نے شرکت کی تھی۔ دوسری بدمزگی کا مظاہرہ کانفرنس کے دوران ہوتا رہا اس کا تعلق کینیڈین وزیر اعظم جسٹن ٹروڈو اور نریندر مودی کے درمیان مستقل اور مسلسل کھچاؤ سے تھا۔ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہوئے دونوں کی باڈی لینگوئج اور چہروں کے تاثرات ایک نیم دلانہ اور بے تاثر ملاقاتوں کو احوال سنا رہی تھی اگر کہیں چہروں پر مسکراہٹ نظر بھی آتی ہے تو وہ مصنوعی اور پھیکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بھارتی حکومت نے کانفرنس کے دوران جسٹن ٹروڈو کو نظر انداز کئے رکھا یا خود مسٹر ٹروڈو نے اپنے قدم کھینچے رکھنے کی حکمت عملی اختیار کی۔ کانفرنس کے اسی ماحول کا اثر تھا کہ کانفرنس کے دوران اور اختتام پر کسی عالمی راہنما کو پریس ٹاک کا موقع فراہم نہیں کیا گیا۔ حد تو یہ ہے کہ تقریب کے دولہا امریکی صدر جو بائیڈن بھی'' ان کہی ہی رہ گئی وہ بات سب باتوں کے بعد'' کے انداز میں بھارت میں کچھ کہے سنے بغیر ہی لوٹ کر چلے گئے اور بعد میں انہیں خیال آیا کہ بھارت میں تو انہیں انسانی حقوق اور اقلیتوں کے تحفظ پر بھی بات کرنا تھی

۔ یادداشت کی بحالی کے بعد ہی انہوں نے دلی کا افسانہ تھائی لینڈ میں سنایا کہ انہوں نے نریندر مودی سے انسانی حقوق اور اقلیتوں کے ساتھ ہونے والے سلوک پر بات کی۔ اسی دوران جسٹن ٹروڈو اور نریندر مودی کے درمیان بھی خالصتان میں ہونے والی قتل کی وارداتوں پر بات ہوتی رہی اور دونوں طرف سے اپنا اپنا موقف بیان کیا جاتا رہا۔ اس تکرار کے اثرات کانفرنس کے دوران ہی محسوس کئے جاتے رہے۔ یوں کینیڈین وزیر اعظم اور نریندر مودی کے تعلقات میں ایک لاوا پکتا ہو اصاف دیکھا جا رہا تھا اور یہ لاوا اب اس وقت پھٹ پڑا جب کینیڈا کی حکومت نے بھارت کے ایک اعلیٰ سفارت کار کو خالصتان نواز سکھ رہنما اور کینیڈین شہری ہردیپ سنگھ نجر کے قتل کے کیس میں ملک بدر کر دیا۔ جسٹن ٹروڈو نے پارلیمنٹ میں ایک زوددار بیان دیتے ہوئے کہا کہ کینیڈا کے انٹیلی جنس اداروں نے سکھ رہنما کی موت اور بھارتی ریاست کے درمیان قابل اعتماد تعلق کی نشاندہی کی ہے۔ انہوں نے اسے نہ صرف بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کہا بلکہ اسے کینیڈا کی آزادی اقتدار اعلیٰ اور خود مختاری کو چیلنج کرنے کے مترادف قرار دیا کہ باہر سے آکر کوئی قوت کینیڈا کی سرزمین پر کسی کینیڈین شہری کو قتل کرے۔ جسٹن ٹروڈ نے یہ بھی کہا کہ جی ٹونٹی کانفرنس کے دوران نریندر مودی کو براہ راست بھی کینیڈین حکومت کے تحفظات سے آگاہ کیا تھا۔ جسٹن ٹروڈو کا یہ بھی کہنا تھا کہ اس کے بعد کینیڈا کے شہری بھی خود کو محفوظ نہیں سمجھتے جن میں کئی ارکان پارلیمنٹ بھی شامل ہیں۔ یہ کہتے ہوئے ان کا اشارہ کینیڈا کے سکھ ارکان پارلیمنٹ کی جانب تھا۔ بھارتی حکومت نے جسٹن ٹروڈو کے پارلیمنٹ میں دیئے گئے بیان کو مسترد کیا

بھارت میں جی ٹونٹی ملکوں کی کانفرنس میں بدمزگی کے صرف دو پہلو تھے ایک کانفرنس کے آغاز سے قبل تو دوسرا کانفرنس کے دوران نمایاں ہو گیا تھا۔ پہلی بدمزگی تو یہ تھی کہ روس اور چین نے اس کانفرنس میں اپنی شرکت کا درجہ گھٹا دیا تھا یعنی سربراہی کانفرنس میں صرف وزرائے خارجہ نے شرکت کی تھی۔ دوسری بدمزگی کا مظاہرہ کانفرنس کے دوران ہوتا رہا اس کا تعلق کینیڈین وزیر اعظم جسٹن ٹروڈو اور نریندر مودی کے درمیان مستقل اور مسلسل کھچاؤ سے تھا۔ ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہوئے دونوں کی باڈی لینگوئج اور چہروں کے تاثرات ایک نیم دلانہ اور بے تاثر ملاقاتوں کو احوال سنا رہی تھی

کینیڈین حکومت کی طرف سے بھارت کے اعلیٰ سفارت کار کی ملک بدری اس لحاظ سے ایک چونکا دینے والا واقعہ ہے کہ اس وقت مغربی ممالک محض علاقائی سیاست کی دوربین سے حالات وواقعات کو دیکھنے کی وجہ سے بھارت پر دل وجان سے فدا ہیں ۔بالخصوص امریکہ تو بھارت کی ہر کج ادائی پر بھی فریفتہ اور اسے نزاکت کا ایک انداز قرار دینے کے رویے کا شکار ہے ۔ایسے میں مغرب کے اہم ملک کینیڈا کی طرف سے بھارت پر اپنی خودمختاری اور اقتدار اعلیٰ کو پامال کرنے کا الزام بھارت کی مصنوعی شبیہہ کو مغرب میں متاثر کرنے کا باعث بن سکتا ہے

اور ایسی کسی واردات میں ملوث ہونے کی تردید کی ۔بعد میں کینیڈا کی وزیر خارجہ میلانیا جولی نے بھی ایک پریس کانفرنس میں انہی خیالات کا اظہار کیا اور بھارت کے ایک اعلیٰ سفارت کار کو ملک بدر کرنے کا اعلان بھی کیا ۔جس کے جواب میں بھارت نے بھی ایک کینیڈین سفارت کار کو ملک بدر کردیا۔ ہردیپ سنگھ نجر ایک سرگرم خالصتانی رہنما تھے جو رواں برس 18 جون میں وینکوور شہر میں ایک گوردوارے کے باہر ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنے تھے ۔خالصتان نواز رہنماؤں نے اس کا الزام بھارتی ایجنسی را پر عائد کیا تھا ۔کینیڈا خالصتان تحریک کے حامیوں کا مضبوط مرکز ہے ۔یہ وہ سکھ ہیں جو سن 80 کی دہائی میں اندرا گاندھی حکومت کے آپریشن بلوسٹار کے نام سے امرتسر گولڈن ٹیمپل پر ہونے والے حملے کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال کے باعث سیاسی پناہ گزینوں کے طور پر مغربی ملکوں میں منتقل ہوئے تھے ۔کینیڈا امریکہ اور برطانیہ اس دور کے نقل مکانی کرنے والوں کے بڑے مراکز ہیں ۔یہ لوگ اپنی زمین سے کٹ جانے کے باوجود اپنے نظریات سے جڑے ہوئے ہیں اور ان ملکوں کی سکھ کمونٹی میں خالصتان کی حمایت کے جذبات ابھی پوری طرح قائم ہیں ۔خالصتان کی حمایت میں سکھ کمونٹی میں ہونے والا ریفرنڈم بھی اسی سوچ کا عکاس ہے ۔بیرون ممالک میں جاری اس خالصتان تحریک کی حمایت کے اثرات سے مشرقی پنجاب بھی محفوظ نہیں رہ سکتا ۔نتیجتاً ان علاقوں میں بھی خالصتان کے جذبات ختم ہونے کے بجائے تقویت پکڑتے ہیں ۔اس لئے بھارت نے آسان طریقہ یہ دیکھ لیا کہ بین الاقوامی محاذ پر سرگرم خالصتان کے حامیوں کو قتل کرایا جائے ۔یہ کاروائی بہت سے بااثر سکھوں کیلئے بھی خطرے کی گھنٹی ہے اور کینیڈین پارلیمنٹ میں کئی سکھ ارکان بھی اس خطرے کی زد میں ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ کینیڈا کی حکومت نے اس مسئلے کو بہت سنجیدگی سے لیتے ہوئے بھارت سے احتجاج کے انداز میں شدت پیدا کی ہے ۔کینیڈین حکومت کی طرف سے بھارت کے اعلیٰ سفارت کار کی ملک بدری اس لحاظ سے ایک چونکا دینے والا واقعہ ہے کہ اس وقت مغربی ممالک محض علاقائی سیاست کی دوربین سے حالات وواقعات کو دیکھنے کی وجہ سے بھارت پر دل وجان سے فدا ہیں ۔بالخصوص امریکہ تو بھارت کی ہر کج ادائی پر بھی فریفتہ اور اسے نزاکت کا ایک انداز قرار دینے کے رویے کا شکار ہے ۔ایسے میں مغرب کے اہم ملک کینیڈا کی طرف سے بھارت پر اپنی خودمختاری اور اقتدار اعلیٰ کو پامال کرنے کا الزام بھارت کی مصنوعی شبیہہ کو مغرب میں متاثر کرنے کا باعث بن سکتا ہے ۔پاکستان کی طرف سے اس طرح کی باتوں کو محض روایتی الزام تراشی سمجھ کر اُڑا دیا جاتا ہے مگر کینیڈین وزیراعظم کا پارلیمنٹ میں کھڑے ہو کر اس سے ملتے جلتے خیالات کا اظہار اپنا رنگ دکھاتا رہے گا۔ یہاں پاکستان کیلئے ایک سبق اور بھی ہے کہ کینیڈا میں ہردیپ سنگھ نجر کے قتل کا ایک واقعہ ہوا تو اس ملک نے اسے اپنے اقتدار اعلیٰ پر حملہ قرار دے کر تمام مصلحتوں اور تکلفات کو بالائے طاق رکھ کر اقدامات کا سلسلہ شروع کیا۔

☆☆☆

جناب سید عارف بہار آزاد کشمیر کے معروف صحافی دانشور اور مصنف ہیں ۔کئی پاکستانی اخبارات اور عالمی شہرت یافتہ جرائد میں لکھتے ہیں ۔تحریک آزادی کشمیر کی ترجمانی کا الحمدللہ پورا حق ادا کر رہے ہیں ۔کشمیر الیوم کیلئے مستقل بنیادوں پر بلا معاوضہ لکھتے ہیں

جناب شیخ تجمل الاسلام،ایک انقلابی اور دانشور

شہباز بڈگامی

جناب شیخ تجمل الاسلام کو ہم سے بچھڑے پورے دو برس ہو چکے ہیں۔ یہ دو برس پلک جھپک میں گزرے کہ ایسے لگ رہا ہے کہ جیسے یہ کل کی بات ہے۔ یہ جوالائی 2021 کے آخری ایام تھے جب شیخ صاحب کی طبیعت خراب ہوگئی۔ٹیسٹ کرانے کے بعد پتہ چلا کہ وہ کرونا وائرس سے متاثر ہو چکے ہیں حالانکہ وہ ویکسنیٹڈ تھے۔لیکن اسقدر گمان نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ کیلئے ایک ایسے مقام پر چلے جائیں گے جہاں سے واپسی کے تمام دروازے تا صبح قیامت بند ہیں۔

05 ستمبر بروز اتوار بعداز نماز مغرب وہ اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ میں نے ان دو برسوں میں متعدد بار ان کے ساتھ گزرے مہ وسال کو قلم بند کرنا چاہا لیکن نہ جانے میرے قلب و ذہن پر ایک عجیب بوجھ سا بوجھ محسوس ہوتا رہا جبکہ قلم بھی صفحہ قرطاس پر کچھ نہ لانے پر آمادہ کرتا رہا۔میں نے شیخ صاحب کی دونوں برسیوں پر بھی شیخ صاحب کے ساتھ گزرے حالات و واقعات کو یاد کرنے کی کوشش کی مگر میں کچھ نہ لکھ سکا ،حالانکہ میں ان کے بہت قریب رہا ہوں ،شیخ صاحب سے ان گنت یادیں وابستہ ہیں۔ میں نے زندگی کی نفاست ، سیاسی ، سماجی ،معاشرتی اتار چڑھاو،نشیب وفراز اور نہ جانے کیا کیا پہلوان سے نہیں سیکھے۔مگر پھر بھی الفاظ کی تنگ دامنی کے ہاتھوں بے دست وپا ہوتا رہا یہاں تک کہ ماہنامہ کشمیرالیوم کے مدیر اعلی شیخ محمد امین نے ماہ ستمبر 2023 کے شمارے میں جناب شیخ تجمل الاسلامؒ کا ایک آرٹیکل جو کہ ماہنامہ ترجمان القرآن کیلئے شیخ صاحب مرحوم نے تحریر کیا تھا کو اپنے رسالے میں شائع کیا اور ساتھ ہی ایک مختصر نوٹ لکھا کہ اکتوبر کشمیرالیوم کے شمارے میں شیخ صاحب مرحوم کی زندگی سے متعلق مضامین شامل ہوں گے۔ میں اپنی بھول بھلیوں میں گھم تھا کہ 05 ستمبر جس دن شیخ صاحب کی دوسری برسی تھی کو جناب شیخ محمد امین نے اپنے دفتر بلایا تھا اور باتوں باتوں میں مجھے تاکید فرمائی کہ میں مرحوم شیخ صاحب کی زندگی سے متعلق طبع آزمائی کروں۔ میں نے اگر چہ ہاں کردی تھی لیکن 24 ستمبر تک میں شش وپنج میں مبتلا رہا کہ آج تو نہیں تو کل ،کل نہیں تو پرسوں۔ گوکہ شیخ امین صاحب اس عرصے کے دوراں دو تین بار یاد دہانی بھی کرا چکے تھے۔ پھر بھی میں گومگو کی کفیت سے دوچار رہا۔ بالاخر مجھے کشاں کشاں اپنے جذبات کو زبان دینا ہی پڑی اور یہ سطور صفحہ قرطاس کی زینت بنیں۔

> شیخ صاحب کی زندگی پر زمانہ طالب عملی سے ہی انقلابی اثرات نمایاں ہو چکے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ اسلامی جمیعت طلبہ کے ساتھ وابستہ ہوئے اور پھر اس طلبہ تنظیم کے ناظم اعلی بنے۔ شیخ صاحب کہتے تھے کہ ان پر امام العصر اور عظیم مفکر سید ابوالاعلی مودودی کا لٹریچر پڑھنے کا جنون طاری تھا اور یہی جنون تھا کہ شیخ صاحب راتوں کو سید مودودیؒ کی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ شیخ صاحب جہاں سید مودودیؒ کے سحر میں مبتلا تھے وہیں مقبوضہ جموں وکشمیر کے رجل عظیم جناب مولانا سعدالدین تارہ بلی سے بھی کچھ کم عقیدت نہیں تھی بلکہ وہ انہیں اپنا مرشد کہتے تھے جس کا اظہار ایک یا دو بار نہیں بلکہ بار بار مجھ ناچیز کے سامنے کر چکے تھے

جناب شیخ تجمل الاسلام کوئی عام انسان نہیں تھے بلکہ ان پر اللہ تعالی کی طرف سے خاص عنایات تھیں۔ وہ بلا کے ذہین تھے اور اسی ذہانت نے انہیں ایک انقلابی شخص کی روپ میں ڈھالا تھا۔ وہ دیانت وامانت کا عملی نمونہ تھے اور انہیں اپنے پروفیشن کے ساتھ جنون کی حد تک عشق تھا۔ شیخ صاحب کی زندگی پر زمانہ طالب عملی سے ہی انقلابی اثرات نمایاں ہو چکے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ اسلامی جمیعت طلبہ کے ساتھ وابستہ ہوئے اور پھر اس طلبہ تنظیم کے ناظم اعلی بنے۔ شیخ صاحب کہتے تھے کہ ان پر امام العصر اور عظیم مفکر سید ابوالاعلی مودودی کا لٹریچر پڑھنے کا جنون طاری تھا اور یہی جنون تھا کہ شیخ صاحب راتوں کو سید مودودیؒ کی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ شیخ صاحب جہاں سید مودودیؒ کے سحر میں مبتلا تھے وہیں مقبوضہ جموں وکشمیر کے رجل عظیم

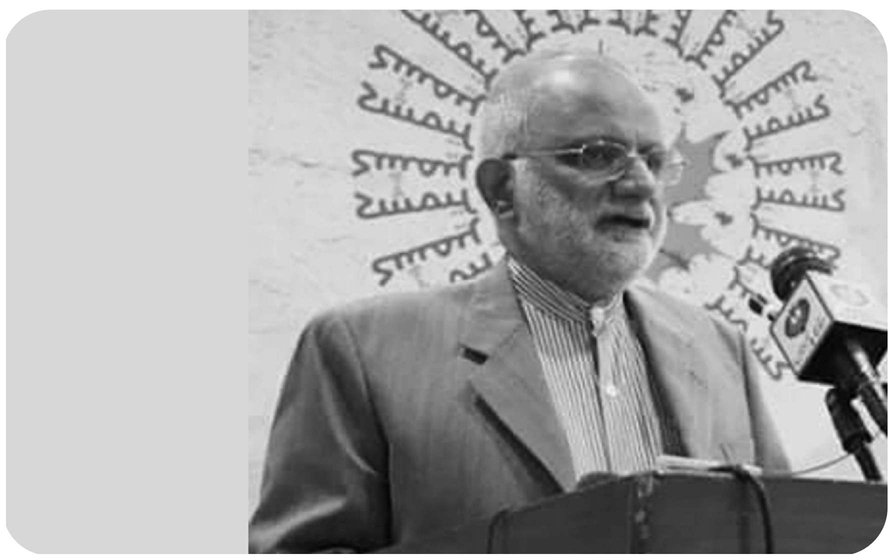

> شیخ صاحب ایک انسائیکلوپیڈیا تھے ہی وہ مسئلہ کشمیر پر ایک اتھارٹی سمجھے جاتے تھے۔ پاکستانی وزارت خارجہ ان کے تجزیوں کو بڑی اہمیت دیتی تھیں۔ پاکستانی وزارت خارجہ کے منجھے ہوئے ترجمان جناب نفیس زکریا جنہوں نے بعدازں برطانیہ میں بطور سفیر خدمات انجام دیں شیخ صاحب کے پاس دفتر آکر باضابطہ بریفنگ لینے آیا کرتے تھے۔ شیخ صاحب نے 05 اگست 2019 جب مودی نے مقبوضہ جموں وکشمیر کی خصوصی حیثیت منسوخ کرکے اس سے مرکز کے زیر انتظام دو حصوں میں تقسیم کیا، پر ایک خصوصی اور طویل تجزیہ لکھا جس میں مودی اور RSS کی تاریخ بھی بیان کی گئی تھی۔ اس تجزیہ کو باضابطہ پاکستان کے مقتدر حلقوں میں پالیسی سازی کا حصہ بنایا گیا اور جناب عمران خان مودی اور RSS کی تاریخ کے بارے میں جب متواتر بیان کرر ہا تھا تو وہ شیخ صاحب کا ہی لکھا ہوا تجزیہ تھا

جناب مولانا سعد الدین تارہ بلی سے بھی کچھ کم عقیدت نہیں تھی بلکہ وہ انہیں اپنا مرشد کہتے تھے جس کا اظہار ایک یا دو بار نہیں بلکہ بار بار مجھ ناچیز کے سامنے کر چکے تھے۔ 2010 کے بعد شیخ صاحب کے ساتھ ایک خاص تعلق قائم ہوا جبکہ سن 2000 میں بطور کشمیر میڈیا سروس KMS کے ایگزیکٹیو ڈائریکٹر کی باضابطہ طور پر ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد جناب عبدالعزیز ڈیگو نے مجھے شیخ صاحب سے متعارف کرایا جس کے بعد ہر گزرتے دن کے ساتھ ان کی عزت وتکریم اور محبت میں جہاں بے پناہ اضافہ ہوتا رہا وہیں ان کی لازوال شفقت میسر رہی۔ شیخ صاحب بذات خود ایک ادارہ تھے اور انہوں نے مختصر عرصے میں کشمیر میڈیا سروس کی پوری دنیا میں ایک شناخت کروائی۔ انہیں مذکورہ ادارہ بے حد عزیز تھا جس کی آبیاری آخری سانس تک کی اور واقفان حال کا کہنا ہے کہ آخری لمحات میں بھی انہیں یہی فکر دامن گیر تھیں۔ شیخ صاحب جس انقلاب کو لیکر اٹھے پھر اسی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا۔ وہ تحریک آزادی کشمیر کے حوالے سے کسی مخمصے اور تذبذب کے شکار نہیں بلکہ یکسو تھے کہ مقبوضہ جموں وکشمیر پر غاصبانہ اور ناجائز بھارتی قبضے کے خاتمے کیلئے ایک ریاست گیر تحریک کا ہونا ناگزیر ہے۔ وہ جب بولتے تھے تو ان کے منہ سے جیسے پھول جھڑتے تھے۔ انہیں اللہ تعالی نے ایک خاص ملکہ عطا کیا تھا۔ انہیں مہذب 'سیاست 'معاشرت گویا کہ وقت کی نبض پر ان کا ہاتھ تھا۔ وہ اس قدر نبض شناس تھے کہ وہ پہلی ہی نظر میں انسان کے رگ و پے سے واقف ہوتے تھے۔ انہوں نے جب بھی کسی موضوع پر قلم اٹھایا تو کمال لکھا۔ وہ زیادہ تر مسئلہ کشمیر پر تجزیہ لکھتے تھے۔ میری آنکھوں نے کئی بار مقتدر حلقوں کو ان کے سامنے بڑی عاجزی سے بیٹھے دیکھا بعدازں پتہ چلتا تھا کہ انہیں فلاں موضوع پر تجزیہ درکار تھا جو انہیں جناب شیخ صاحب کے در پر آنا پڑتا تھا۔ شیخ صاحب انگریزی کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ وہ ایک منبع تھے جہاں الفاظ رواں ہوجایا کرتے تھے۔ شیخ صاحب ایک فلسفی تھے وہ گھنٹوں بولتے رہتے تھے لیکن نہ الفاظ ختم ہوتے تھے اور نہ ہی وہ اکتاہٹ محسوس کرتے تھے۔ وہ ایک سمندر تھے جو کسی دریا میں گرنے کے قائل نہیں تھے بلکہ بڑے بڑے دریا سمندر میں گرتے ہیں۔ ان کے دفتر پہنچتے ہی لوگوں کی قطار لگی رہتی تھیں جو شام تک جاری رہتی لیکن نہ وہ کسی تھکان کے شکار ہوتے اور نہ ہی انہوں نے کبھی اپنے پیشہ وارانہ منصب کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کیا بلکہ ہر وقت تازہ دم نظر آتے تھے۔ وہ بڑے ہی وضع دار انسان تھے۔ جو اشخاص شیخ صاحب کی زندگی سے متعلق منفی رویوں کا اظہار کرتے تھے انہیں بھی گرمجوشی سے ملتے اور پورا پورا وقت دیتے تھے۔ میرے سینے میں بہت سارے راز امانت ہیں جن سے جناب شیخ صاحب نے مجھے ذاتی طور پر روشناس کرایا۔ کچھ ناعاقبت اندیش زندگی کے آخری ایام میں سید علی گیلانیؒ سے متعلق انہیں غلط فہمیوں کا شکار کرنا چاہتے تھے لیکن وہ کانوں کے کچے ثابت نہیں ہوئے۔ 2021 کے اوائل میں سید صلاح الدین احمد کا ایک ویڈیو بیان منظر عام پر آیا جس میں جناب سیدؒ نے کہا تھا کہ قاتل اور مقتول میں سے ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ شیخ صاحب کو برادر شیخ محمد امین نے

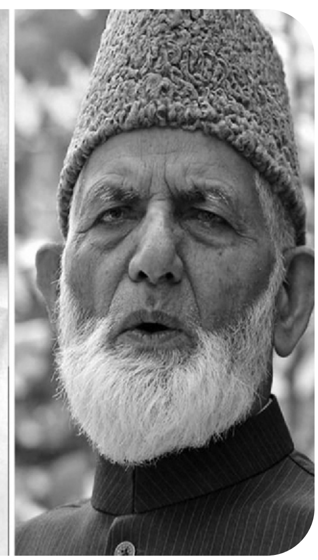

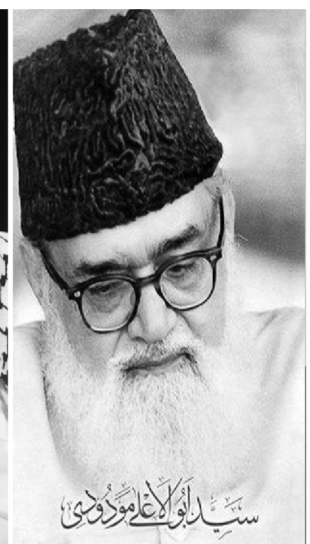

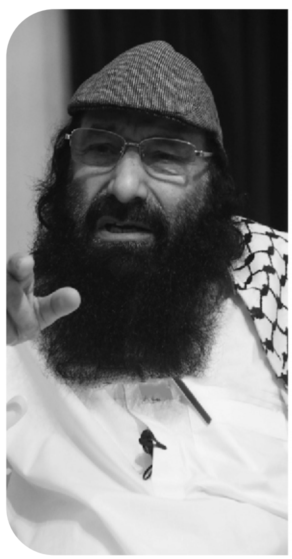

مذکورہ ویڈیو بیان سینڈ کیا تھا تو شیخ صاحب نے راقم کو بلا کر ہدایت کی تھی کہ شیخ امین صاحب سے کہیں کہ پیر صاحب کے ویڈیو بیان کو پھیلائیں اور ساتھ ہی مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ صلاح الدین صاحب بڑے جراءت کے مالک ہیں اور ایسا بیان ایک باجراءت شخص ہی دے سکتا ہے۔

شیخ صاحب کبھی یک طرفہ فیصلہ کرنے یا سننے کے قائل نہیں تھے بلکہ ہمیشہ تصویر کے دونوں رخ سامنے رکھ کر ہی فیصلہ کرتے تھے۔انہوں نے کبھی ڈسپلن پر سمجھوتہ نہیں کیا یہی ان کی کامیاب زندگی کا اصل راز تھا جس پر وہ کسی صورت سمجھوتہ نہیں کرتے تھے۔شیخ صاحب نے راقم سے اپنی زندگی کا ایک واقعہ شیئر کرتے ہوئے بتایا کہ جب وہ LLB کی تعلیم مکمل کر چکے تو دوسری صبح بطور وکیل عدالت جانا تھا۔شیخ صاحب کالا کوٹ

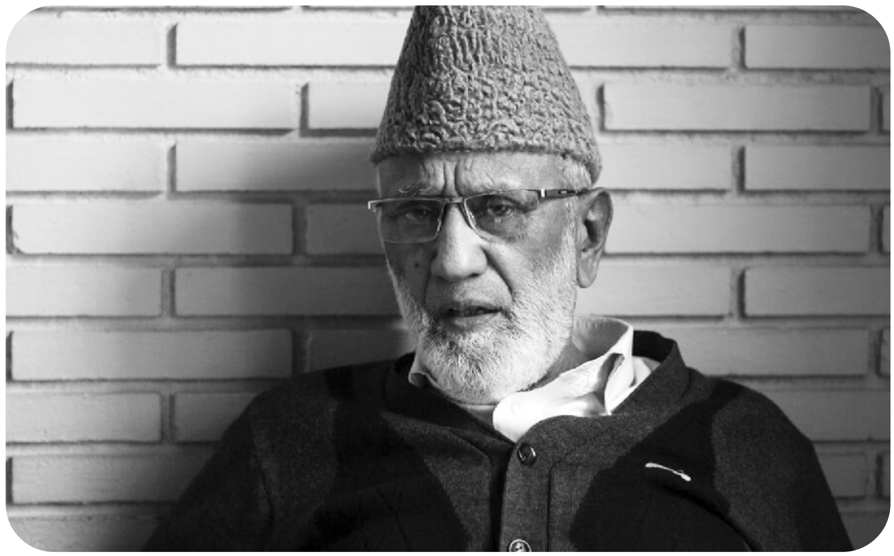

پہن کر عدالت کیلئے روانہ ہونے لگے تو ان کے والد محترم صدر دروازے پر کھڑے بیٹے کا انتظار کر رہے تھے۔جب شیخ صاحب والد محترم کے پاس پہنچے تو انہوں نے شیخ صاحب کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا بیٹا اپنے پروفیشن کے ساتھ وفا کرنا جب آپ اپنے پیشہ سے وفا کریں گے تو آپ کا پروفیشن آپ کے ساتھ وفا کرے گا۔ بلاشبہ انہوں نے والد محترم کی نصیحت کو حرز جان بنالیا تھا۔شیخ محمد امین کہتے ہیں کہ 1984 میں شیخ صاحب تازہ تازہ جیل سے رہا ہو چکے تھے تو وہ بطور ناظم اعلی اسلامی جمعیت طلبہ شمالی کشمیر کے قصبہ ہندواڑہ تشریف لائے جہاں طلبا کی بڑی تعداد اجتماع میں شریک شیخ صاحب کا خطاب عام سننے کیلئے بے چین تھی۔خود شیخ امین بھی بطور طالبعلم اس اجتماع کے ڈائس انچارج تھے۔وہ کہتے ہیں کہ جب شیخ صاحب کا خطاب شروع ہوا تو پورے مجمعے پر گویا سکوت طاری تھا۔شیخ صاحب نے اپنا خطاب ان الفاظ سے شروع کیا کہ یہ جو کالے کالے لوگ یعنی بھارتی فوجی CRPF والے آس پاس کھڑے ہیں نظر آرہے ہیں یہی قابض اور غاصب ہیں اور ان غاصبوں کے ناپاک قدموں سے سرزمین کشمیر کو پاک کرنا ہی ہماری زندگی کا اصل مقصد ہے۔بقول شیخ محمد امین ہم سوچ رہے تھے کہ شیخ صاحب کے یہ الفاظ ہوا کے دوش پر پہنچنے کی دیر ہوگی کہ اجتماع کو گولیوں سے بھون دیا جائے گا۔مگر بھارتی فوجی منحوسوں کی طرح کھڑے رہے اور شیخ صاحب اپنا خطاب عام مکمل کر چکے تھے۔

شیخ امین صاحب شیخ تجمل الاسلام کو سید علی گیلانی اور محمد اشرف خان صحرائی جیسے انقلابی گردانتے ہیں۔شیخ صاحب جہاں انقلاب ایران سے بڑے متاثر تھے وہیں سید علی گیلانی اور جناب محمد اشرف خان صحرائی بھی انقلاب ایران کو بطور امثال پیش کرتے تھے۔شیخ صاحب ایک انسائیکلو پیڈیا تھے ہی وہ مسئلہ کشمیر پر ایک اتھارٹی سمجھے جاتے تھے۔پاکستانی وزارت خارجہ ان کے تجزیوں کو بڑی اہمیت دیتی تھیں۔پاکستانی وزارت خارجہ کے منجھے ہوئے ترجمان جناب نفیس زکریا جنہوں نے بعدازں برطانیہ میں بطور سفیر خدمات انجام دیں شیخ صاحب کے پاس دفتر آکر باضابطہ بریفنگ لینے آیا کرتے تھے۔شیخ صاحب نے 05 اگست 2019 جب مودی نے مقبوضہ جموں وکشمیر کی خصوصی حیثیت منسوخ کرکے اس سے مرکز کے زیر انتظام دو حصوں میں تقسیم کیا، پر ایک خصوصی اور طویل تجزیہ لکھا جس میں مودی اور RSS کی تاریخ بھی بیان کی گئی تھی۔اس تجزیہ کو باضابطہ پاکستان کے مقتدر حلقوں میں پالیسی سازی کا حصہ بنایا گیا اور جناب عمران خان مودی اور RSS کی تاریخ کے بارے میں جب متواتر بیان کررہا تھا تو وہ شیخ صاحب کا ہی لکھا ہوا تجزیہ تھا۔

نہ صرف کنٹرول لائن کی دونوں جانب پاکستان بلکہ دنیا بھر میں ان کے بے شمار چاہنے والے آج بھی موجود ہیں جو ان کے ساتھ گزرے اوقات کو یاد کرتے ہیں۔شیخ صاحب کی زندگی کا ہر پہلو ایک کھلی کتاب کی مانند ہیں۔ہر ورق ایک دوسرے کے ساتھ مماثلت رکھتا ہے۔ایک آرٹیکل میں ان کی زندگی کا احاطہ تو دور کی بات تعارف بھی مشکل ہے۔جو لوگ شیخ صاحب پر مختلف الزامات لگاتے رہے وہ اللہ تعالی کے ہاں جوابدہی کیلئے خود کو تیار رکھیں کیونکہ شیخ صاحب نے کبھی اپنی زندگی میں کسی کو جواب دینے کی زحمت گوارا نہیں کی۔وہ اپنا معاملہ اس ذات برحق پر چھوڑ چکے ہیں جہاں گز بھر زبانیں کسی کام نہیں آئیں گی۔شیخ صاحب کے ایک قریبی ساتھی جناب سید کفایت حسین رضوی کے بقول یہ شیخ صاحب کی تربیت کا ہی نتیجہ ہے کہ ہم ان کی غیر موجودگی کو محسوس نہیں ہونے دے رہے ہیں اور ادارہ جیسے تیسے چل رہا ہے۔

ایسی نابغہ روزگار شخصیات روز روز پیدا نہیں ہوتیں بلکہ صدیاں بیت جاتی ہیں تب جاکر شیخ تجمل الاسلام جیسے مفکر اور دانشور پیدا ہوتے ہیں جو خود نہیں بلکہ زمانہ بدلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

خدا رحمت کنند ایں عاشقاں پاک طینت را

☆☆☆

محمد شہباز بڈگامی معروف کشمیری صحافی اور کالم نگار ہیں۔
کشمیر الیوم کیلئے مستقل بنیادوں پر بلا معاوضہ لکھتے ہیں۔

سید مودودیؒ نے سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اپنے کارکنوں کی تربیت کی

تحریک آزادی کشمیر۔۔۔۔ پہلے دوست بہت زیادہ نظر آرہے تھے۔اب دشمن زیادہ نظر آرہے ہیں

اس تحریک کو مجاہدین صف شکن نے اپنے پاک لہو سے سینچا ہے۔اس تحریک کو کوئی ختم نہیں کرسکتا

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امام گیلانیؒ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے لاکھوں جانشین تیار کئے تھے

امان اللہ خانؒ کا اول بھی اور آخر بھی کشمیر تھا

کشمیر ہی آزاد نہیں ہوگا بلکہ کشمیر کی آزادی پوری دنیا کے غلاموں کی آزادی کا باعث بھی بنے گی

جناب محمد مشتاق خان صاحب ڈوئیاں استور میں جنوری 1955ء میں پیدا ہوئے۔گاوں کے سکول میں اول جماعت کا امتحان پاس کیا۔ان کے والدین اسی دوران بونجی منتقل ہوئے۔اس طرح پرائمیری کی تعلیم بونجی میں مکمل کی ۔چھٹی جماعت گلگت اور پھر بقیہ تعلیم میٹرک اور ایف ایس سی اسلامیہ کالج پشاور سے 1974 میں مکمل کیا۔گریجویشن، پوسٹ گریجویشن اور ایل ایل بی کیلئے 1975 میں کراچی یونیورسٹی جانا پڑا یوں ان کا یہ دنیاوی تعلیمی سفر تقریباً مکمل ہوا۔1981-82 میں دوران تعلیم پشاور سے ہی اسلامی جمعیت طلبہ سے متعارف ہوئے۔کراچی یونیورسٹی میں سٹوڈنٹس پالیٹکس میں سرگرم کردار ادا کیا۔اس دوران اسلامی جمعیت طلبہ کے رکن بھی بنے۔

1986 میں جماعت اسلامی آزاد جموں وکشمیر کی رکنیت حاصل کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔1992 تا1999 تک گلگت بلتستان کی آزادی کے ہیرو اور مجاہد مولانا عبدالمنان دامت برکاتہم کی امارت میں سرگرم عمل رہے امیر ضلع گلگت کی حیثیت سے 6 برس اور پھر گلگت بلتستان کے سکریٹری جنزل کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں بہ حسن خوبی انجام دیتے رہے ۔ 2000ء میں امیر جماعت اسلامی گلگت بلتستان منتخب ہوئے ۔یہ ذمہ داری 2000ء تا2009 اور2015ء تا2019ء تک نبھاتے رہے۔ اس عرصے کے دوران2015 میں 6 ماہ تک گلگت بلتستان کے بحیثیت نگران وزیر قانون اور پارلیمانی امور بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ جماعت اسلامی آزاد جموں کشمیر وگلگت بلتستان کے نائب امیر جماعت کی حیثیت سے بھی ایک طویل عرصے سے ذمہ داریاں نبھاتے رہے ہیں ۔آج کل جماعت اسلامی آزاد جموں وکشمیر گلگت بلتستان کے مرکزی نائب امیر ہیں ۔1990 میں مجاہدین ومہاجرین کشمیر کی آمد کے موقع پر مرکزی شوریٰ کے رکن اور گلگت بلتستان کے ذمہ دار کی حیثیت سے راولپنڈی، آزاد کشمیر کے کیمپوں اور گلگت بلتستان میں مہاجرین ومتاثرین کشمیر کی خدمت کیلئے شب

وروز مصروف عمل رہے۔الحمد للہ گلگت بلتستان کو عملی طور پر آزادی کشمیر کا بیس کیمپ بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا۔امیر محترم کو گلگت بلتستان کی تمام دینی ،تحریکی و سیاسی شخصیات عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔آر پار کی کشمیری قیادت اور کارکناں بلا کسی تفریق کے ان کے مدبرانہ اور مجاہدانہ کردار کی تعریف کرتے نظر آرہے ہیں۔ متحرک اور مخلص رہنما ہیں ۔مقبوضہ کشمیر کے عوام کی تکالیف اور مظلومیت کا درد ان کی گفتگو سے واضح طور پر محسوس ہوتا ہے۔دورہ گلگت بلتستان کے موقع پر ان سے ملاقات کرنے کا موقع ملا۔رابط کرنے پر انہوں نے اپنے گھر بلایا۔اپنے نمائندے عبدالہادی بونجوی کی معیت میں ہم (راقم ،عارف جان اور شجر خان) ان کے گھر پہنچے۔جناب نعمت اللہ خان صاحب کی طرح یہاں بھی ایک کشمیری انداز کی مہمان نوازی دیکھنے اور پرکھنے کا موقع ملا۔بہت ہی جذباتی ماحول اس وقت مجھے محسوس ہوا اور میری آنکھیں نم بھی ہوئیں جب امیر محترم نے ایسا بے تکلفانہ انداز اختیار کیا،جس سے لگا کہ جیسے ہم بہت پہلے سے انہیں جانتے تھے اور کافی عرصے تک ان کے ساتھ رہ کر آج طویل وقفے کے بعد ان سے ملے ہیں ۔حالانکہ یہ ہماری ان کے ساتھ پہلی ملاقات تھی ۔کشمیریت اسی کا نام ہے۔اللہ تعالی پیار ومحبت کی ان روایات کو ہمیشہ قائم و

دائم رکھیں ۔ ان کے ساتھ ہوئی گفتگو قارئین کی نذر۔۔۔۔۔۔۔۔(شیخ محمد امین،اویس بلال)

سوال:امیرمحترم! آپ جماعت اسلامی میں کب شامل ہوئے ۔مولانا مودودیؒ سے کبھی ملاقات ہوئی ۔تب کی جماعت اور آج کی جماعت میں کوئی واضح فرق محسوس کررہے ہیں؟

جواب:82ءمیں اسلامی جمعیت طلبہ کا رکن بنا۔1986 میں جماعت کی رکنیت کا اعزاز حاصل ہوا۔براہ راست مولانا مودودیؒ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ ہمارے یہاں کے بانی امیر مولانا عبدالمنان صاحب دامت برکاتہم مولانا مودودیؒ کی عصری مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ان کی امارت کے سائے میں مجھے کام کرنے کا اعزاز حاصل ہوا ہے ۔سید مودودیؒ کے دور کے لوگ محنتی تھے تحریکی کام زوروشور سے بڑی محنت اور لگن سے کرتے تھے، ان کے لٹریچر نے ایک انقلاب بپا کیا۔سید مودودیؒ کو اس دور میں یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ جب مذہب کو محض چند عبادات اور رسومات تک محدود کرنے کی کوششیں عروج پر تھیں تو انہی حالات میں سیدؒ نے دلائل اور حقائق کی بنیاد پر یہ ثابت کیا کہ دین اسلام مکمل نظام حیات ہے اور اسے صرف محض چند عبادات تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔سید مودودیؒ نے اس نظام کو قائم کرنے کی ہرممکنہ جدوجہد خود بھی کی اور اپنے کارکنوں اور ہمنواؤں کو بھی اس کی تلقین کی ۔سید نے یہ بھی واضح کردیا کہ ہمارا کام صرف جدوجہد کرنا ہے قائم ہونا یا نہ ہونا یہ اللہ کی مشیت ہوتی ہے۔کل قیامت میں ہم سے صرف یہ پوچھا جائیگا کہ ہم نے اس نظام کو قائم کرنے میں کتنا کردار ادا کیا۔مولانا مودودیؒ کے دور کے کارکناں بھی عظمت وعزیمت کی علامتیں تھیں ۔ ہمارے اپنے مولانا عبدالمنان دامت برکاتہم جن کی عمر اس وقت 98 برس ہے ضعیف العمری میں بھی تحریک کے ساتھ پر جوش وابستگی اس وقت بھی نظر آرہی ہے ۔ان کی آنکھوں کی بینائی متاثر ہے لیکن ترجمان القرآن اور دیگر جرائد کا مطالعہ بینائی متاثر ہونے کے باوجود بھی کرتے ہیں ۔ساتھیوں،دوستوں سے پڑھوا کر سنتے ہیں۔ ہفتہ وار اجتماعات میں ہر حال میں شامل ہوتے ہیں ۔انہیں دیکھ کر ہر کارکن عش عش کر اٹھتا ہے۔مولانا مودودیؒ نے سیرت رسول اللہ صلی اللہ

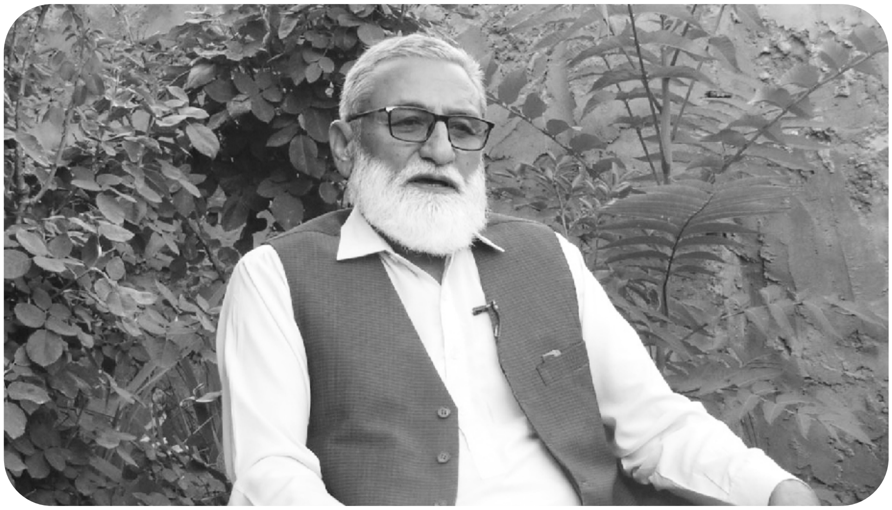

علیہ وسلم کے مطابق اپنے کارکنوں کی تربیت کی تھی اور وہ دور سے نظر بھی آرہا ہے کہ وہ کارکن کندن تھے مولانا عبدالمنان دامت برکاتہم کی مثال میرے کیا ہم سب کے سامنے ہے۔۔آج گو کہ سید کی براہ راست رفاقت نہیں ہے،لیکن ان کا لٹریچر موجود ہے۔کارکنوں کے معیار میں کمی آئی ہے لیکن ایسا ہوتا رہتا ہے۔تغیر وتبدل کے اثرات پڑتے ہیں ۔پھر بھی الحمد للہ معاملات زیادہ خراب بھی نہیں ہیں۔کارکنوں کی تربیت کیلئے ہر ممکنہ طریقہ کار اختیار کیا جارہا ہے۔

سوال :طویل عرصے سے جماعت اسلامی پاکستان اقامت دین کیلئے جدوجہد کررہی ہیں لیکن۔۔۔

جواب: بقول سید مودودیؒ (مفہوم عرض کررہا ہوں) جب ہم اقامت دین کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے ہمارا مطلب مسجدوں میں دین قائم کرنا یا چند مذہبی عقائد اور اخلاقی احکام کی تبلیغ کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ گھر اور مسجد سے لے کر ہائی کورٹ ، پارلیمنٹ ہاوس تک ،سب جگہ پر اسی ایک خدا کا دین قائم ہو جائے ، جسے ہم اپنا رب اور معبود تسلیم کرتے ہیں ۔آگے مولانا فرماتے ہیں مسلمان دریا کے بہاو پر بہنے کیلئے پیدا نہیں کیا گیا۔مسلمان دریا کا بہاو موڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔فرماتے ہیں کہ میرے لئے اقامت دین کی جدوجہد عین مقصد زندگی ہے۔میرا مرنا اور جینا اسی کیلئے ہے۔کوئی اس راہ پر چلنے کیلئے تیار ہو جائے یا نہ ہو جائے مجھے تو چلنا ہے ۔کوئی آگے بڑھے یا نہ بڑھے میں بڑھوں گا۔کوئی ساتھ دے نہ دے میں اکیلا چلوں گا۔ساری دنیا متحد ہو کر مخالفت کرے تو مجھے تن تنہا اس سے لڑنے میں کوئی انکار نہیں ۔حق حق ہے اور باطل باطل ۔پوری دنیا باطل کو ہی حق سمجھے ۔میں اکیلا ہی اسے باطل کہہ دوں گا۔نتائج کی پرواہ کئے بغیر۔اس لئے شیخ صاحب جس قائد نے ہمیں اس تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دی ،ہم نے بلکل اسی حقیقت کو سامنے رکھ کر اس جدوجہد میں حصہ ڈالا اور ڈال رہے ہیں ، ہمارے لئے کامیابی اور ناکامی کا معیار مختلف ہے ۔ہمارا کام ہے اللہ کی رضا کیلئے جدوجہد کرنا۔۔۔ کامیابی اور کامرانی اسی کے ہاتھ میں ہے ۔سیدنا امام حسینؓ بظاہر ناکام ہوئے لیکن حالات وواقعات یہ ثابت کررہے ہیں کہ وہی کامیاب ہوئے۔اس لئے مجھے پختہ یقین ہے کہ ہم کامیابی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں اور ہم کامیاب ہیں ۔الحمدللہ

سوال:تحریک آزادی کشمیر کہاں کھڑی ہے؟

جواب: جاری ہے اور جاری رہے گی ۔لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ پہلے دوست بہت زیادہ نظر آرہے تھے۔اب دشمن زیادہ نظر آرہے ہیں۔9/11 کی آڑ میں عالم کفر ایک ہی صف میں کھڑا ہوا۔ہم امت مسلمہ منتشر حالت میں ہیں بلکہ خوف ودہشت کے نتیجے میں انہی کی صف میں بھی جا کے بیٹھ بھی گئے ہیں۔اس لئے یہ تحریک کافی حد تک کمزور ہوئی تاہم تحریکات میں نشیب وفراز کے ایسے ادوار آتے رہتے ہیں،ان شاءاللہ یہی تحریک دیر سویر ضرور کامیابی سے ہمکنار ہوگی ۔ مجھے یاد ہے وہ دور۔1990 کی بات کررہا ہوں۔ جب مجاہدین کا آنا جانا تھا۔ریل پیل تھی،ایک تعلق تھا جوش و جذبہ

تھا۔ پرویز مشرف نے وہ سلسلہ ختم کروایا۔ آر پار عوامی رابطوں میں کمی آئی، جو گہرا تعلق تھا اس میں بھی بریک جیسی لگی۔ کمی آئی ۔اس دوران ہمارے پاکستانی حکمرانوں نے بہت یوٹرن لیے، لیکن یہ بھی ایک عیاں حقیقت ہے کہ اس تحریک کو مجاہدین صف شکن نے اپنے پاک لہو سے سینچا ہے اس لئے اس تحریک کو کوئی بھی شخص ختم نہیں کرسکتا۔

سوال :اس تحریک کی کامیابی کیلئے گلگت بلتستان کی قیادت اور عوام کیا کردار ادا کر رہی ہے۔

جواب : ہم جانتے ہیں کہ ایک بڑی طاقت کے خلاف کشمیری جدوجہد کر رہے ہیں اور گلگت بلتستان کے عوام اس جدوجہد کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اسے اپنی جدوجہد سمجھتے ہیں۔ گلگت بلتستان چونکہ جموں و کشمیر ہی ہے اس لئے ہم اسے آزادی کا بیس کیمپ سمجھتے ہیں ۔اس سوچ میں یہاں پورے گلگت بلتستان میں آپ کو سیاسی یا تحریکی حلقوں میں دورائے نظر نہیں آئیگی ۔ جماعت اسلامی گلگت بلتستان سیاسی ،سفارتی و قلمی سطح پر کشمیری عوام کی جدوجہد میں برابر شریک ہے۔ میرے اپنے خاندان کا اس تحریک میں براہ راست کردار ہے ،شاید آپ کو معلوم نہیں ہوگا مرحوم امان اللہ خان ننھیال کی طرف سے میرے قریبی رشتہ دار تھے۔ میری والدہ محترمہ کے چچازاد بھائی تھے،امان اللہ خان کو بچپن سے ہی بہت قریب سے دیکھا، تحریک آزادی کشمیر میں یہاں سے جنہوں نے حصہ لیا جدوجہد کی ۔ان میں امان اللہ خانؒ سرفہرست ہیں ۔مرحوم امان اللہ خانؒ کا تعلق استور سے ہے۔ بچپن سے لے کر آخری سانس تک تحریک کے ساتھ جڑے رہے۔ مرحوم اصول پرست اور اپنے موقف پر ڈٹنے والے تھے،نظریاتی اختلاف تھا ان سے،مگر وہ اصول پرست راہنما تھے،ہمارے ساتھ جب بیٹھتے تھے تو ان کا پدرانہ اور مشفقانہ سلوک دیکھنے کے قابل ہوتا تھا۔ان کی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ کشمیر کی آزادی کیلئے انہوں نے بہت کام کیے، کشمیر کی آزادی کیلئے ان کا اول بھی کشمیر تھا اور آخر بھی کشمیر تھا۔ امام سید علی گیلانیؒ کے بعد میں امان اللہ خانؒ کو ہی اعلیٰ کشمیری رہنما سمجھتا ہوں۔ ان کی جدوجہد بے مثال تھی ان سے بہت سارے اختلاف کے باوجود یہ کہنے میں مجھے کوئی باک محسوس نہیں کہ انہوں نے آزادی کشمیر کے حوالے سے مختلف النظریات لوگوں کو اکٹھا کیا اور جدوجہد کرنے کے گر سکھائے۔ ہم گلگت بلتستان کو ریاست جموں و کشمیر کا اٹوٹ حصہ سمجھتے ہیں اور ہم اقوام متحدہ کی قراردادوں کے عین مطابق ریاست کا فیصلہ چاہتے ہیں ۔ پاکستان کشمیری عوام کو استصواب دینے میں نہ کبھی رکاوٹ تھا نہ ہے۔ یہ بھارت ہے جو طاقت کے بل پر ریاست کے ایک حصے پر قابض ہے۔

سوال:ایک فریق کی حیثیت سے پاکستان کا کیا کردار ہے؟

مختصر جواب دوں گا۔ حکمرانوں کو کشمیری عوام کے حوالے سے جو کچھ کرنا چاہیے تھا نہ کر سکے نہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس مملکت کو ایسی قیادت فراہم کرے جو وہ کردار ادا کر سکے، جس کی ہم کشمیری تمنا اور امید رکھتے ہیں۔ جس رہنما کی صحیح سمت نہ ہو وہ کامیاب نہیں ہوسکتا ہے۔ قیادت کی تبدیلی سب سے زیادہ ضروری ہے۔

سوال : کیا کشمیری مہاجرین کی صورتحال سے آپ واقف ہیں ؟ کیا موجودہ صورتحال میں کوئی قائدانہ کردار ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں؟

جواب: مہاجرین کشمیر ہمارے بھائی ہیں، ہمارے مہمان ہیں ۔ جماعت نے ہمیشہ حتی الوسعیٰ ان کے مسائل کو کسی حد تک کم کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔ الخدمت فاؤنڈیشن اپنا کردار ضرور نبھاتا ہوگا۔ مجھے احساس ہے کہ موجودہ گراں بازاری کے نتیجے میں ہمارے بھائی سخت مسائل کے شکار ہوئے ہونگے ۔ان حالات میں ہر صاحب ثروت کو اپنا کردار ادا کرنا پڑے گا۔ میں خود اپنی جماعت میں اس پر بات کروں گا۔ ان شاءاللہ اپنا کردار ادا کریں گے۔ میری خواہش ہے کہ گلگت بلتستان میں بھی ہم ایسا set up قائم کرسکیں تاکہ ہم یہاں بھی مہاجرین کشمیر کی امداد اور تعاون کرکے ثواب میں شریک ہو سکیں۔ الخدمت فاونڈیشن کے ذمہ داروں کے ساتھ بھی مہاجرین کے مسائل پر بات کروں گا۔ ان شاء اللہ بہتر ہی ہوگا۔

سوال :امام سید علی گیلانیؒ کی جدائی کے بعد بعض لوگ دعویٰ کر رہے ہیں کہ تحریک آزادی کشمیر اب آخری سانسیں لے رہی ہے۔ امیر محترم آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: سید علی گیلانیؒ کی آواز سنتے ہی دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ انہوں نے تحریک اسلامی اور تحریک آزادی کشمیر کے حوالے سے جو کام کئے ہیں وہ رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے۔ سید علی گیلانیؒ اس دور کے عظیم رہنما ہیں ان سے براہ راست ملاقات نہیں ہوئی، لیکن انکی تقاریر و گفتگو سن کر ہمارے جذبوں میں اضافہ ہوتا تھا۔ کشمیر کی آزادی کیلئے سید علی گیلانیؒ نے جو کچھ بھی کہا ہے کیا ہے وہ منفرد ہے، لازوال ہے۔ انہیں زیر حراست شہید کیا گیا۔ ان کے جنازے کو دیکھ کر امام حسن البناؒ یاد آئے۔ امام حسن البناؒ کے جنازے میں صرف گھر کے چند افراد کو جنازے میں شامل ہونے دیا گیا اور یہاں سید گیلانیؒ کے جنازے میں گھر والوں کو بھی جنازے میں شرکت سے زبردستی روکا گیا۔ کچھ مقامی لوگوں کو کڑے فوجی پہرے میں ان کا جنازہ ادا کرنے دیا گیا امام حسن البناءؒ کی تحریک بھی جاری ہے ان شاء اللہ امام سید علی گیلانیؒ کی تحریک بھی جاری رہے گی ۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سید گیلانیؒ نے اپنی زندگی میں ہی اپنے لاکھوں جانشین تیار کئے تھے۔ وہ اس تحریک کو کامیاب کرانے اور حصول منزل تک جاری رکھنے میں اپنا کردار ادا کرتے رہینگے۔ ان شاءاللہ

سوال: کیا آپ کو یقین ہے کہ کشمیر آزاد ہوگا۔

جواب: سو فیصد یقین ہے ۔کشمیر ہی آزاد نہیں ہوگا بلکہ کشمیر کی آزادی پوری دنیا کے غلاموں کی آزادی کا باعث بھی بنے گی۔

سوال: کشمیر الیوم کے قارئین کیلئے کوئی پیغام

جواب: تحریک آزادی کشمیر کا ترجمان جریدہ ہے، اور الحمد للہ ترجمانی کا بھرپور حق ادا کر رہا ہے۔ اس سلسلے میں اس جریدے سے وابستہ افراد داد تحسین کے مستحق ہیں۔ جریدے کو ہر خاص و عام تک پہنچانے کی پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔ ان شاءاللہ اس حوالے سے گلگت بلتستان کے پہلے سے موجود قارئین بھی اپنا کردار ادا کریں گے۔

☆☆☆

شیخ تجمل الاسلامؒ ۔۔۔تحریک آزادی کشمیر کے روشن ستارے

کلیم اللہ،محمد رضا

05 ستمبر 2023 کو کشمیر کاز کے حقیقی چیمپئن شیخ تجمل الاسلام کی دوسری برسی تھی۔تحریک آزادی کشمیر کے ماسٹر مائنڈ، معروف صحافی، دانشور، قانون دان اور کشمیر میڈیا سروس کے ایگزیکٹیوڈائریکٹر شیخ تجمل الاسلام ایک ماہ سے زائد عرصے تک کورونا وائرس میں مبتلا رہنے کے بعد 05 ستمبر 2021 کو اس دنیا سے کوچ کر گئے۔شیخ تجمل الاسلام 1954 میں سری نگر میں پیدا ہوئے،شیخ تجمل الاسلام نے کشمیر یونیورسٹی سرینگر سے 1975 میں ایل ایل بی اور 1980 میں ایم اے اردو مکمل کیا۔یونیورسٹی میں ایک انقلابی طالبعلم رہنما ہونے کے باعث وہ 1979 سے 1984 تک غیر قانونی طور بھارت کے زیر قبضہ جموں و کشمیر میں اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم اعلیٰ رہے۔مقبوضہ علاقے میں اپنے صحافتی کیریئر کے دوران شیخ تجمل الاسلام 1973 سے 1980 تک روزنامہ اذان کے چیف ایڈیٹر، کئی دیگر اخبارات، ہفتہ وار اور پندرہ روزہ میگزینوں کے ایڈیٹر کے طور پر کام سرانجام دیکر مقبوضہ کشمیر کی تحریک آزادی میں بھرپور کردار ادا کرتے رہے۔

انہوں نے 1975 سے 1984 تک سرینگر میں قانون کی پریکٹس بھی کی۔شیخ تجمل الاسلام اپنے دہائیوں پر محیط کیریئر میں کشمیری عوام کے حق خودارادیت کے سچے وکیل تھے۔

ایک پیدائشی آزادی پسند، شیخ تجم الاسلام نے جموں و کشمیر پر بھارت کے غیر قانونی قبضے کی فعال اور عملی طور پر مخالفت کی، جس کے باعث انہیں بھارتی ظلم و جبر کا سامنا کرنا پڑا اور 1974 سے 1984 تک جموں و کشمیر پر بھارتی غیر قانونی قبضے کو چیلنج کرنے کی پاداش میں کئی مرتبہ گرفتار بھی کیا گیا۔

آخرکار، انہیں آزادی کے حق اور بھارت مخالف موقف اور سرگرمیوں کے باعث بھارتی افواج کے ظلم وستم کی وجہ سے پاکستان ہجرت کرنا پڑی۔1971 میں سقوط ڈھاکہ کے افسوس ناک واقعے کے بعد بھارت نے پاکستان کے خلاف ایک بدنیتی پر مبنی پروپیگنڈا شروع کیا تھا جس میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ پاکستان اب کشمیری عوام کی جدوجہد آزادی کی حمایت کرنے کے قابل نہیں رہا۔اس واقعے سے کشمیری مسلمانوں

میں تشویش کی لہر دوڑ گئی تھی اور وہ مایوسی کا شکار ہو گئے تھے۔ 1975 میں اندرا عبداللہ معاہدے کی آہٹ نے اس مایوسی میں مزید اضافہ کیا تھا۔اس نازک صورتحال کے موقع پر کشمیری عوام کو رہنمائی کیلیے ایک صاحب بصیرت شخص کی ضرورت تھی، شیخ تجمل الاسلام نے یہ کام بخوبی نبھایا۔

انہوں نے کشمیری عوام کے حوصلے بلند کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔انہوں نے 1982 میں مسئلہ کشمیر کے موضوع پر بین الاقوامی کانفرنس کے انعقاد کا منصوبہ بنایا۔اگرچہ بھارت نے کانفرنس کی اجازت نہیں دی، تاہم تقریب کی تیاریوں نے کشمیری عوام بالخصوص نوجوانوں کو متحرک کیا اور انہیں ہر قیمت پر حق خودارادیت کیلئے اپنی جدوجہد کو آگے بڑھانے میں حوصلہ فراہم کیا۔شیخ تجمل الاسلام کو جموں و کشمیر پر اپنے غیر قانونی قبضے کیلئے ایک بڑا چیلنج سمجھتے ہوئے نئی دہلی نے انہیں نشانہ بنانے کی اپنی حکمت عملی تیز کر دی، جس کے باعث ان کیلئے مقبوضہ علاقے میں قیام جاری رکھنا مشکل ہو گیا اور وہ نیپال کے راستے پاکستان منتقل ہو گئے۔پاکستان میں، شیخ تجمل الاسلام 1992 سے 2000 تک انسٹی ٹیوٹ آف کشمیر افیئرز کے سربراہ رہے۔

انہوں نے 1998 سے 1999 تک پاکستان ٹیلی ویژن PTV کے نیوز سیکشن کے ساتھ کام کیا۔شیخ تجمل الاسلام نے 1999 میں بطور ایگزیکٹو ڈائریکٹر کشمیر میڈیا سروس جوائن کیا

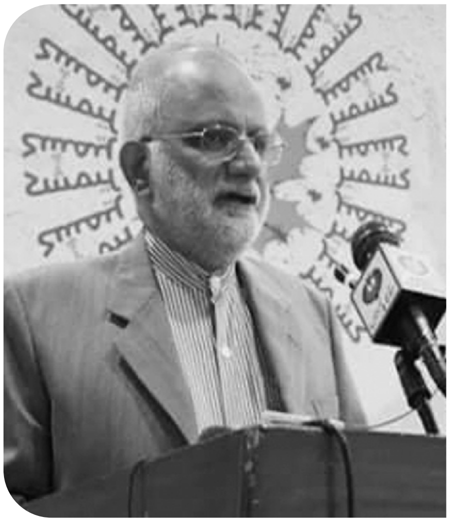

اور آخری سانس تک اس ادارے سے وابستہ رہے۔وہ کشمیر انسائٹ میگزین کے چیف ایڈیٹر بھی تھے۔انہوں نے مسئلہ کشمیر پر انگریزی اور اردو میں مضامین اور تجزیے لکھے۔

تجربہ کار صحافی نے پاکستان اور بیرون ملک نیپال، بنگلہ دیش، تائیوان، سنگاپور، مالدیپ، ایران، سعودی عرب، برطانیہ، کینیڈا اور کئی دیگر یورپی ممالک میں مسئلہ کشمیر پر کئی کانفرنسوں اور سیمینارز میں شرکت کی اور اپنی تقاریر میں تنازعہ کشمیر کے مختلف پہلوؤں اور مقبوضہ خطے کے لوگوں پر بھارتی مظالم پر روشنی ڈالی۔

ان کی کاوشوں اور قیادت کی بدولت کشمیر میڈیا سروس مظلوم کشمیریوں کی ایک مضبوط اور مستند آواز بن چکا ہے۔شیخ تجمل الاسلام نے تنازعہ کشمیر کے بنیادی اصولوں پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا۔انہوں نے ہمیشہ کشمیری عوام کی امنگوں اور اقوام متحدہ کی متعلقہ قراردادوں کے مطابق تنازعہ کے حل کی وکالت کی۔پاکستان کے صحافتی حلقوں میں وہ اپنی دیانت داری اور علمی ذہانت کے باعث قابل احترام مقام رکھتے تھے۔جموں و کشمیر کی تاریخ میں کشمیر کاز کیلئے ان کی خدمات کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

پاکستان مملکت خداداد کیوں ہے؟

واقفان راز ایسے ہی پاکستان کو مملکت خداداد کا نام نہیں دیتے۔ اس کے پیچھے ایک تاریخی سچائی ہے

پاکستان ماہ مقدس رمضان المبارک کی 27 ویں تاریخ کو معرض وجود میں آیا تھا

جو قوم اپنے ماضی کو بھول جائے اسے قوموں کی برادری میں وقار سے زندہ رہنا دشوار ہو جاتا ہے

انسان کو بتایا گیا ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ وہ انہیں برائی اور بے حیائی کی طرف مائل کرتا ہے

شہزاد منیر احمد

جب یہ حقیقت طے ہے کہ اللہ الرحمٰن نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ سوتا نہ اس کا کوئی ماں باپ ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے، تو انسان کو یہ فرمان الٰہی، " و ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون" (سورت الذاریات آئیت نمبر 56) کو صدق دل سے ماننے میں ذرا تامل نہیں ہونا چاہیے۔۔۔ انسان خود کو اس اللہ الصمد جس کے سامنے اسے پیش ہونا بھی طے ہے، تو اس بے نیاز کی عبادت کرنے میں کیوں اتنا متحرک دکھائی نہیں دیتا۔

میری دانست میں اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ ہم نے قرآن پاک کو نہ محویت سے پڑھا نہ سمجھا اور نا ہی اس معیاری خلوص نیت سے اس پر ایمان لائے جس سطح کے ایمان کا تقاضا انسان سے کیا گیا ہے۔ کہ تم خاص اللہ ہی کے ہو کر عبادت کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے کتنے ہیں انبیاء دنیا میں بھیجے گئے، صحیفے اور الہامی کتب نازل کی گئیں۔ انسانوں کی تربیت کی گئی۔۔ ان امتوں کی صدیوں پر محیط اللہ الرحمٰن سے آرزوؤں، خواہشات اور دعاؤں کے صلہ میں اللہ رب العالمین نے آخری نبی رسول اللہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتخاب کیا اس پر قرآن مجید نازل کیا اور فرمایا کہ انسان کا تعلیمی نصاب (دین اسلام) مکمل ہو گیا ہے اور ساتھ ہی عملی تربیت کرنے والا رسول اللہ بھی آخری ہے۔ کیونکہ اس کے بعد نہ تو کوئی الہامی کتاب نازل ہو گی اور نہ ہی کوئی نبی دنیا میں آئے گا۔

مذکورہ وسیع دعاؤں کا مختصر مگر انتہائی جامع خلاصہ قرآن کے ابتدائیہ میں شامل ہے جسے " سورۃ فاتحہ " کا نام دیا گیا ہے۔ سورۃ فاتحہ ایسی زود اثر دعا ہے کہ اس دعا کے آخری لفظ تلاوت

کرنے کے ساتھ ہی قبول کر لی جاتی ہے۔ ورق الٹنے کے ساتھ اگلے صفحہ پر آپ کو وہ چیز میسر ہے جس کی آپ کو طلب ہے۔ یعنی آپ نے اللہ سے ہدایت مانگی، تو جواب میں فرمایا یہ لو وہ جامع ہدایت جس میں کوئی شک ہے نہ ابہام۔ اس کتاب میں زمانہ عدم کے انسان کی حیثیت سے لے کر مرنے اور پھر زندہ کرنے سے ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کی تفصیلات موجود ہیں۔

اللہ الرحمٰن نے بندے کو بتایا بھی ہے کہ "

(سورت الانبیاء آیت نمبر.10) یہ کتاب ہے جس میں آپ کی (بات، یعنی انسان کیا تھا، کیسا ہے اور آئندہ کیا اور کہاں ہو گا) سوانح عمری درج ہے۔ کیا تمہیں عقل نہیں"

مزید اللہ تعالی نے کوہ طور کی قسم کھا کر، بیت المعمور (جو آسمان والوں کا کعبہ ہے) کی قسم کھا کر قیامت کے دن کے قائم ہونے کا بھی مطلع فرمایا ہے اور زمین کی زندگی کا انسان سے حساب بھی مانگا جائے گا تو انسان کو اللہ رب العالمین کی اطاعت کرنے اور طاعت رسول اللہ رحمت اللعالمین خاتم الانبیاء سے اعراض سوائے اس کے اور کیا سمجھا جائے کہ وہ حق وصداقت پر یقین نہیں کرتے بلکہ اپنی نرے گمان اور نفس کی خواہشات پر چلنے والے ہیں۔ کیا یہ امر واقعی نہیں ہے کہ حقیقت حال علم و یقین سے معلوم ہوتی ہے نہ کہ وہم و گمان سے۔۔

انسان کو بتایا بھی گیا ہے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ وہ انہیں برائی اور بے حیائی کی طرف مائل کرتا ہے۔ انسان اپنی خواہشوں کے تابع زندگی گذارنے میں عافیت سمجھتا ہے۔ شیطان انہیں ان کے سارے غلط کام صحیح بتا کر خوش رکھتا ہے۔ یہی انسان کی سب سے بڑی غلطی، جرم اور گناہ ہے جس کی اسے سزا ملے گی۔ دنیا میں بھی اور آخرت کا دردناک عذاب بھی، جہاں وہ آگ کے بڑے حوض میں بند کیا جائے گا، کھانے کو کانٹے اور پینے کو پیپ دی جائے گی۔

رمضان، ماہ صوم

ماہ رمضان کی عظمت و اہمیت کیا ہے، اس میں کیا کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں، اسے اتنا مقدس مہینہ کیوں کہا گیا یہ راز تو صرف اللہ علیم و خبیر ہی جانتا ہے۔ اللہ الرحمٰن نے ماہ رمضان کو مسلمانوں کیلئے روزہ رکھنے کیلئے کیوں منتخب کیا یہ حقیقت بھی وہی واقف اسرار جانتا ہے۔ ہمیں اللہ کے کریم رسول اللہ خاتم

النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی ہدایت فرمائی کہ ماہ رمضان کے روزے ہم پر فرض ہیں۔اللہ الرحمٰن نے لوح محفوظ سے قرآن پاک کو مجھ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ماہ رمضان میں نازل فرمایا۔ اس مہینے کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں اللہ تعالیٰ نے ایک رات ایسی مقرر کر رکھی ہے جس میں کی جانے والی عبادت کا ثواب ہزار راتوں کی عبادت سے بھی زیادہ مختص ہے۔

رمضان کا نام سنتے ہی سال کے بعد آنے والی اسلامی ثقافت کا منظر نظروں کے سامنے گھومنے لگتا ہے جس میں جامع عبادت روزہ ہی مرکز ومحور ہوتا ہے۔دن کے بازار سجتے ہیں تو راتیں معمول سے ہٹ کر روشن ہوتی ہیں۔ ہر سو روح پرور روحانی ماحول نظر آتا ہے۔بڑے مرد اور عورتیں بچے سب اپنی عبادات اطیعواللہ واطیعوالرسول کو اپنے معمولات میں شامل کر کے تجدید عہد کرتے ہیں۔۔نئے معصوم بچے بچیوں کو اسلامی ثقافت سے متعارف کروایا جاتا ہے۔

روزہ اسلامی عبادات میں اپنے اندر اسلامی معاشرے کیلئے اس قدر وسیع پیمانے کے فیوض و برکات رکھتا ہے کہ اس کا صلہ خصوصی طور پر اللہ الرحمٰن مختص کرتا ہے،جس کی مثال دینا انسانی بس میں نہیں۔۔۔روزہ کی اہمیت اور فضیلت اس بات سے لگائی جاسکتی ہے کہ مسلمانوں کی کئی ایسی ناپسندیدہ باتیں اور فیصلے جن کی شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سزا مقرر ہے مثلاً عورت کو طلاق دینا، جھوٹی قسم کھانا اور روزہ توڑ دینا وغیرہ وغیرہ،ان کے بدلے وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرے، کفارہ ادا کرے گا تو اللہ اسے معاف فرمائے گا۔اگر کفارہ ادا نہیں کرسکتا تو پھر زائد روزے رکھے تب بھی اللہ تعالیٰ اس شخص کی توبہ قبول کر کے اسے معاف کر دیتا ہے۔۔

قرآن پاک کی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 183 میں فرمایا گیا ہے "اے ایمان والو تم پر روضے فرض کئے گئے ہیں جیسے کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ" معلوم یہ ہوا کہ زمینی زندگی میں انسان کی ساری سرگرمیوں کی بنیاد "پرہیزگاری" ہے۔جس نے یہ طریقہ اپنایا وہ گویا صراطِ مستقیم پر قائم ہوا۔

چند لفظوں پر مشتمل اس حکم کے ایک ایک لفظ کے معنی،اس کی حکمت، تشریح اور آدمی پر نفسیاتی اور جسمانی صحت پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کریم نے اپنے بندوں کی قلبی طمانیت اور کامیاب زمینی زندگی کیلئے روزہ ایک مکمل تربیت اور جامع عبادت کے طور اور تربیت کے لیے فرض کیا ہوا ہے۔

روزہ رکھنے والے پر عام زندگی میں بہت سارے ان پہلوؤں کا بھی انکشاف ہوتا ہے جو عام حالات میں انسانی ذہن وفکر سے اوجھل رہتی ہیں۔سب سے بڑا علم اور سبق یہ ملتا ہے کہ بھوک و پیاس کی حالت میں آدمی پر کیا گزرتی ہے۔لطف اور دلچسپی کی بات یہ ہے کہ بھوک پیاس ہر شخص پر ایک جیسا اثر کرتی ہے۔اس اعتبار سے یہ بندوں کیلئے براہ راست تربیت کا وسیلہ بنا رکھا ہے کہ وہ یہ جانے کہ معاشرے میں غربت اور مفلسی کی زندگی گزارنے والوں کی حالت وبے بسی کیسی ہوتی ہے۔

یہ حقیقت بھی معلوم ہوتی ہے کہ بھوکے شخص کو خوراک پانی ملنے پر کتنی خوشی ہوتی ہے۔ اللہ کریم نے اسی لیے بھوکے کو کھانا کھلانے کی خصوصی تلقین کی ہے۔یوں روزہ دار کے دل میں مفلسوں اور ناداروں کی مدد کرنے کا رجحان وشوق پیدا ہوتا ہے۔

روزہ کی حالت میں روزہ دار خود پر از خود ایسی پابندیاں نافذ کر لیتا ہے جو بغیر روزے کے حلال واحسن شمار ہوتی ہیں۔ مثلاً حلال اشیاء کا کھانا پینا،اور اپنے زوج سے محبت کا اظہار کرنا وغیرہ وغیرہ۔گویا روزہ کی حالت میں معمول کی پرہیزگاری میں اضافہ ہو جاتا ہے۔اس پرہیزگاری اور احتیاط ہی کو تقویٰ کہا جاتا ہے۔۔جب روزے سے نفس کو حلال مرغوبات سے رکنے کی عادت پڑے گی تو ان مرغوبات،شہوات وخواہشات سے بھی باز رہنے کی عادت پڑ جائے گی جو شرعاً مکروہ اور حرام قرار دی گئی ہیں۔روزہ میں سب سے بڑی حکمت ہی یہ رکھی گئی ہے کہ نفس کی سرکشی کی اصلاح ہو اور حرام و ناجائز حرکات و اعمال سے بچنے کا عزم وعہد دل میں پکا ہو جائے۔ذرا سی بھی لغزش کا احتمال ہونے کی صورت میں آدمی ہاتھ اور قدم روک لے۔

روزہ دار خود سے ہی عہد کرتا ہے اور خود ہی کو جوابدہ ہوتا ہے خود ہی گواہ ہوتا ہے کہ وہ روزہ داری کی شرائط پر کس قدر پابند رہا ہے۔لوگوں سے بات چیت کرنے میں، لین دین میں ناپ تول میں دیانت داری میں،نماز کی ادائیگی میں غیر محرم عورتوں کا سامنا کرنے میں، رزق کمانے میں اور دیگر سرگرمیوں میں۔مہینہ بھر روزے رکھنے کی اس تربیت سے گذرنے کے بعد آدمی میں کافی نفسیاتی تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

تاریخ اسلام میں مسلمانوں اور کافروں میں پہلا جنگی معرکہ "جنگ بدر" بھی ماہ رمضان میں پیش آیا۔مسلمانوں نے باقاعدہ روزے بھی رکھے،اپنے سے تین گنا بڑے لشکر کے ساتھ جنگ بھی لڑی اور جیتی بھی۔ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر جنگ لڑنے اور اور اپنا کامیاب کردار ادا کرنے کا سہرا ان مسلمانوں کے سر ہے جو ماہ صیام کی موثر تربیت سے گذرنے کے بعد صبر وشکر اور توکل کا پہاڑ بن کر میدان جہاد میں اترے تھے۔

مملکتِ خداداد پاکستان کا انعام

تحریک آزادی پاکستان در اصل کئی طرح کے خدشات کی آمیزش کا نتیجہ تھی۔صدیوں بھارت میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے اکٹھے رہنے میں مسلمان ہندوؤں کی اکثریت سے کئی بار تعصب کا شکار ہوتے رہے۔ واقفان راز ایسے ہی پاکستان کو مملکت خداداد کا نام نہیں دیتے۔اس کے پیچھے ایک تاریخی سچائی ہے۔تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے افراد کو اس حقیقت کو جاننا چاہیے،تاکہ وہ اپنے بچوں کو انگریزوں کی صدیوں پر محیط غلامی کی اذیتوں سے اگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ مسلمانان ہند کی ان کوششوں کو بھی جان پائیں جو انہوں نے بانی پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں آزادی حاصل کرنے کی خاطر کی تھیں۔جو قوم اپنے ماضی کو بھول جائے اسے قوموں کی برادری میں وقار سے زندہ رہنا دشوار ہو جاتا ہے۔مقابلے کی اس فضا میں قدم قدم پہ غیرت کا موازنہ ہوتا ہے۔ پاکستان ماہ مقدس رمضان المبارک کی 27 ویں تاریخ کو معرض وجود میں آیا تھا۔مقدس مہینہ،27 ویں رمضان کی رات جس میں کی جانے والی عبادت کی اہمیت اللہ الرحمٰن کل شئی قدیر کے قریب

ہزار مہینوں سے بھی برتر ہے، اس رات کو ہم پاکستانیوں پر اس عظیم روحانی رحمت کا نزول ہونے کے ساتھ ساتھ آزاد وطن کی صورت میں دوسری رحمت نازل کی گئی۔۔

یہ بات کہنے میں جذباتی پہلو کے ساتھ ساتھ ایمانی حرارت کا بھی پہلو عیاں ہے۔ پڑھیں۔

صدیوں پر محیط انگریزوں کی غلامی اور ہندوؤں کی عصبیت مسلمانان ہند کی شناخت تو ختم نہیں کر سکی تھی، (یہ اتنا ہی ابھرے گا جتنا کہ دبا دینگے) البتہ انہیں معاشی اور سماجی طور پر اس قدر پسماندہ اور پست بنا کر انتہائی نا مساعد حالات میں پہنچا کر رکھا تھا کہ جینا واقعی دوبھر ہو چکا تھا۔ یاد رہے جب انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ جمایا اس وقت ہندوستان دنیا بھر میں بہترین معیشت کا حامل برصغیر تھا

ہندوستان تب سونے کی چڑیا کے نام سے دنیا بھر میں مشہور تھا۔ پوری دنیا کی کل پیداوار میں صرف ہندوستان کا حصہ 27 فیصد ہوتا تھا۔ Colonial Powers یعنی نوآبادیاتی طاقتوں، ہالینڈ، پرتگالیوں، فرانسیسیوں اور انگریزوں نے ہندوستان سے تجارتی روابط قائم کرنے کی کئی برس تک کوششیں کیں مگر انہیں خاطرخواہ کامیابی نہیں ملی۔ آخر کار انگلستان کی ایسٹ انڈیا کمپنی کو رابرٹ کلائیو کی سرکردگی میں ہندوستان میں تجارتی رسائی حاصل ہوئی۔

رابرٹ کلائیو ایسٹ انڈیا کمپنی میں ایک کلرک تھا جو اپنی محنت، ذہانت، چالاکیوں اور مکاریوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ہندوستان میں British Rule انگریزی راج قائم کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ ایک عرصہ کے بعد جب رابرٹ کلائیو واپس انگلستان پہنچا تو اس پر ہندوستان میں بددیانتی اور حکومت برطانیہ سے غلط بیانیوں کی بنیاد پر بے پناہ دولت اکٹھی کرنے پر مقدمات درج کیے گئے۔ اسے گرفتار کر کے جیل میں بند رکھا گیا، جہاں پر مبینہ طور پر اس نے خودکشی کر لی تھی۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی تشکیل

زمین اپنی ساخت میں بشمول سمندروں کے ایک مکمل اکائی ہے۔ بلکل ایسے جیسے اللہ الرحمٰن نے کائنات میں انسان کو ایک جیسی فطرت دے کر پیدا کیا ہے۔ زمین پر آرام وچین کی زندگی گزارنے پر ہدایات کا منبع بھی سب کیلئے یکساں نازل ونافذ کر رکھا ہے۔ انسان نے اپنی خودسری کرتے ہوئے زمین پر اپنی خواہشات کی دیواریں، کہیں چھوٹی، کہیں درمیانہ بلند کیں اور کہیں فلک بوس عمارتوں سے نہ صرف زمین کا خوبصورت چہرہ مسخ کیا ہوا ہے بلکہ اپنے آپ کو بھی بڑا محدود اور مکروہ کردار بنا رکھا ہے۔ فرمان بردار اور بے فکر زمین پر قسما قسم کی بے چینیاں اور فکرمندیاں بو رکھی ہیں۔

افسوس ہی یہ ہے کہ انسان اتنا بڑا مقدس عرفان، مروت اور اخوت کا سبق لیکر زمین پر اترا تھا مگر اس نے اس راحتوں بھرے پیغام کو بھلا کر نیزے، بھالے، توپ وتفنگ سے زمین کو ہی ٹکڑوں میں نہ صرف بانٹا بلکہ انسانوں کو بھی کئی نسلوں میں تقسیم کر کے رکھ دیا۔ اسی نتیجے میں یہ خطہ ارض جسے آج اسلامی جمہوریہ پاکستان کہا جاتا ہے اس برصغیر کا حصہ بنا ہوا تھا جسے ہندوستان کہا جاتا تھا۔ یہ غلامی کا دور تھا۔۔

انگریزوں کی غلامی سے اور ہندوستان سے الگ خطہ ارض پر ایک خودمختار ریاست (پاکستان) تشکیل دینے کے مطالبے کے پیچھے آل انڈیا مسلم لیگ کے کئی طرح کے خدشات تھے۔۔ یہ خدشات زیادہ تر متعصب ہندوؤں کے ہاتھوں مسلمانوں کا کہیں پریشان ہونا، کہیں کسی قانونی حق سے محروم ہونا اور کہیں مذہبی دہشتگردی کا شکار ہونا تھا۔ غرض یہ کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کا ایک آزاد شہری کی حیثیت سے زندگی گزارنا قریب قریب ناممکن بنا دیا گیا تھا۔ چند ایک خدشات کا ذکر پیش کیا جاتا ہے۔

1۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی نسبت ہندوؤں کی اکثریت تھی۔ لہٰذا وفاقی اور صوبائی حکومتوں میں جمہوری نظام حکومت کے تحت مخلوط انتخابات کی صورت میں ہندوؤں کا اقتدار پر فائز ہونا ایک یقینی امر تھا۔

صدیوں پر محیط انگریزوں کی غلامی اور ہندوؤں کی عصبیت مسلمانان ہند کی شناخت تو ختم نہیں کر سکی تھی، (یہ اتنا ہی ابھرے گا جتنا کہ دبا دینگے) البتہ انہیں معاشی اور سماجی طور پر اس قدر پسماندہ اور پست بنا کر انتہائی نا مساعد حالات میں پہنچا کر رکھا تھا کہ جینا واقعی دوبھر ہو چکا تھا۔ یاد رہے جب انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ جمایا اس وقت ہندوستان دنیا بھر میں بہترین معیشت کا حامل برصغیر تھا ہندوستان تب سونے کی چڑیا کے نام سے دنیا بھر میں مشہور تھا۔ پوری دنیا کی کل پیداوار میں صرف ہندوستان کا حصہ 27 فیصد ہوتا تھا

2 ۔۔ ہندو اکثریت کسی سطح پر بھی مسلمان اقلیتوں سے برابری اور انصاف کا سلوک نہیں کرے گی، بلکہ سیاسی اعتبار سے اسے محکوم بنانے کی کوشش کرے گی۔

3 ۔۔ معاشی سطح پر مسلمانوں کا استحصال ہوگا۔ سماجی، معاشرتی، تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے ان کے تشخص کو ختم کرنے کی کوششیں ہوں گی۔۔4۔۔ تاریخی پس منظر میں ہر ممکنہ طریقے سے اپنی گزشتہ ہزار سالہ محکومی کا بدلہ لینے اور مسلمانوں سے حساب چکانے کی کوشش کرے گی۔ 5 ۔۔ ہندو تعصب، ان کی ذہنیت اور چانکیائی سیاسی نظریات کا برسوں نہیں صدیوں کا تجربہ کرنے کے بعد یہ نظریہ مسلمانوں کے دلوں پر نقش ہو چکا تھا کہ ہندوؤں سے مسلمانوں کے بارے میں کسی بھلائی کی توقع نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ 6۔۔ 1936 کے انتخابات میں قائداعظم محمد علی جناح چاہتے تھے کہ 1916 کی میثاق لکھنؤ والی مسلم اتحاد والی فضا قائم رکھی جائے۔ مگر وہی ہوا جس کا گاندھی کی جماعت سے کھٹکا تھا۔ انتخابات جیتنے کی خوشی اور فتح کے غرور میں کانگرس نے آنکھیں بدل لیں۔ مسلم لیگ کے ساتھ کولیشن حکومت بنانے سے انکار کر دیا۔

حکومت میں شمولیت کیلئے آل انڈیا مسلم لیگ کی منفرد شناخت ختم کرنے کی شرائط رکھ دیں۔ گویا قائداعظم محمد علی جناح، آل

انڈیا مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کے دیگر دور اندیش اکابرین کے آل انڈیا کانگریس کے منفی رویوں کے بارے میں سارے خدشات سو فیصد درست ثابت ہوئے۔

آل انڈیا کانگریس نے 1936 کے انتخابات جیتنے اور صوبائی حکومت سنبھالنے کے ساتھ۔ اردو زبان کو ختم کر کے ہندی زبان نافذ کر دی۔ سکولوں میں صبح کی دعا کی جگہ وندے ماترم شروع کرا دیا۔ ودیا سکیم جاری کی گئی۔ مدراس میں رکھے گئے گاندھی کے مجسمے کو بھی مسلمان بچوں کو بھی ہاتھ جوڑ کر ادب کرنا پڑتا۔

یہ چند اقدامات وہ ہیں جو مسلمانوں کے خدشات کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہندوستان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا ایک قوم بن کر زندہ رہنا مشکل ہی نہیں ناممکن تصور و تجویز تھی۔ اس بگڑتے ہوئے سیاسی ماحول میں قائد اعظم محمد علی جناح نے 5 فروری 1938 کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے "اسٹریچی ہال" میں یونین کی طرف سے منعقدہ جلسے میں خطاب کرتے فرمایا:-

" نہیں معلوم اس وقت میری خودداری کو کیا ہو گیا تھا کہ میں کانگرس کے سامنے ہاتھ پھیلایا کرتا تھا۔ میں نے اس مسئلے کے حل کیلئے اتنی انتھک اور مسلسل کوششیں کیں کہ ایک روزنامے نے اس پر لکھا، مسٹر جناح ہندو مسلم اتحاد کے سوال سے کبھی بیزار نہیں ہوتے۔ لیکن گول میز کانفرنس کے اجلاسوں میں مجھے اپنی زندگی کا سب سے بڑا دھکا لگا۔ خطرہ نمودار ہوتے ہی ہندو دل و دماغ ہندو جذبات اور ہندو روش نے ایسی صورت اختیار کر لی کہ بالآخر اتحاد کی توقع ہی اٹھ گئی"

یہ تھے وہ حالات جنھوں نے ہندوستان کے بعد از آزادی کے نقشے کے تصور نے ہندوستان کی دو بڑی قوموں،"

" ہندو اور مسلمان" کو دو بڑی پارٹیوں، کانگرس اور مسلم لیگ میں تقسیم کر دیا۔

تقسیم ہندوستان 14 اور 15 اگست کو ہی کیوں کی گئی۔ یہ تاریخی اور دلچسپ کہانی ہے۔

مارچ 1947 میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو وائسرائے ہند بنا کر اس اختیار کے ساتھ بھیجا گیا تھا کہ وہ ہندوستان کو جون 1948 تک تقسیم کر کے پاور مقامی قائدین، آل انڈیا کانگریس اور آل

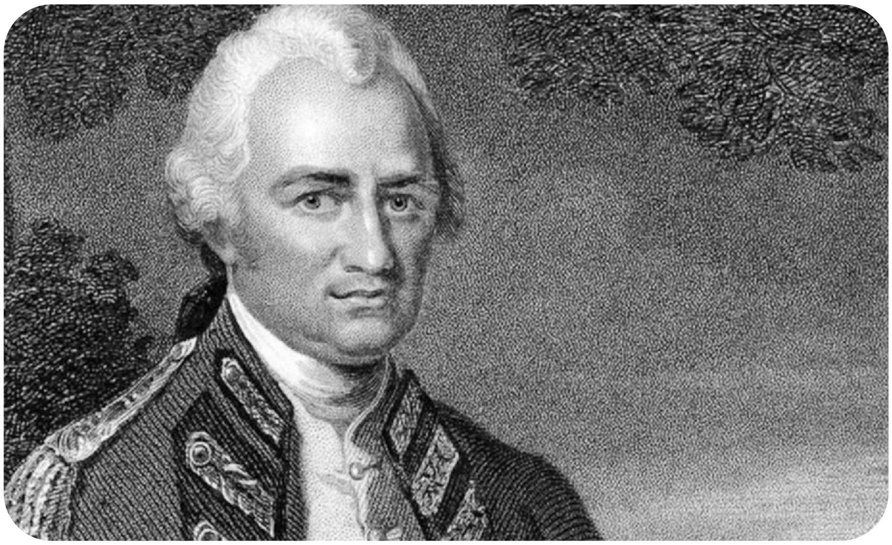

انڈیا مسلم لیگ کو منتقل کر دیں۔ مئی 1947 میں لارڈ ماؤنٹ بیٹن ملکہ برطانیہ اور برطانوی وزیر اعظم Lord Clament Attalee سے ضروری صلاح مشورے اور دیگر تفصیلات طے کرنے کے بعد واپس ہندوستان پہنچے۔ اسے ہندوستان کو برطانوی راج سے آزادی کا دن مقرر کرنے کیلئے ایک سال کا عرصہ دستیاب تھا۔ لیکن نہ جانے وہ (ماؤنٹ بیٹن) کن یادوں کے سرور میں تھا کہ اسے 15 اگست کی تاریخ یاد آ گئی۔

ہوا اصل میں یہ کہ دوسری جنگ عظیم میں 15 اگست 1945 کو جاپان نے برما میں سرنڈر Surrender کیا تھا۔ جن برطانوی افواج کے سامنے ہتھیار پھینکے گئے وہ تب ایڈمرل ماؤنٹ بیٹن کے زیر کمان تھے۔ 1946 میں اس نے دوسری جنگ عظیم اپنی فتح کی پہلی سالگرہ 15 اگست کو بڑے کروفر سے منائی تھی۔ اب 15 اگست 1947 کو وہ اسی فتح کی دوسری سالگرہ کو اپنی نئی کامیابی (جو حقیقت میں ان کی تذلیل تھی) ہندوستان کی آزادی کو مشترکہ طور پر منانا چاہتا تھا۔ اس نے فوری طور پر احکامات جاری کیئے کہ ہندوستان کا تاریخی یوم آزادی 15 اگست 1947 مقرر ہے۔ اس ضمن میں سب تیاریاں مکمل کی جانی چاہئیں۔ آل انڈیا کانگریس کے قائدین، دیگر سیاسی پنڈتوں اور مذہبی گروہوں نے ماؤنٹ بیٹن کو بتایا کہ 15 اگست 1947 ان کے دھرم کی رو سے ستاروں اور دیگر حوالوں سے ہندوستان کیلئے بدشگونی کا دن ہوگا، اس لیے اسے تبدیل کیا جائے۔ مگر ایڈمرل ماؤنٹ بیٹن، وائسرائے ہند نے کسی کی نہ سنی۔ اللہ الرحمٰن نے یہ بات اس سختی سے ماؤنٹ بیٹن کے دل میں بٹھا دی کہ اس نے کسی کی کوئی دلیل مشورہ رائے نہ سنی اور اپنے کہے ہوئے الفاظ پر قائم رہا۔ یوں 14 اگست پاکستان کی آزادی کا دن مقرر ہوا۔

قارئین سوچیں ذرا اگر 14 اگست پاکستان کا آزادی کا دن مقرر نہ ہوتا تو وہ 27 ویں رمضان المبارک نہیں ہونا تھی۔ میری دانست میں؟ چونکہ یہ مقدس دن اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی آزادی کیلئے مختص کر دیا ہوا تھا اس لیے مقتدر شخصیات اور حلقوں نے بغیر کسی اور وجہ کے 15 اگست ہندوستان کی آزادی کیلئے مقرر کیا۔ اسی لیے پاکستان کو مملکت خداداد کہا جاتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

شہزاد منیر احمد (گروپ کیپٹن ریٹائرڈ) راولپنڈی / اسلام آباد کے معروف ادیب، شاعر، مصنف اور کالم نگار ہیں، کشمیر الیوم کے لیے مستقل بنیادوں پر بلا معاوضہ لکھتے ہیں

سیرت محمدی کا پیغام امت محمدی کے نام

ابن رومی

ربیع الاوّل کا بابرکت مہینہ تھا اور عرب کے لق و دق صحرا میں عبدالمطلب کے گھر میں عبداللہ کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا، جس کی نور کی کرنیں وادی فاران سے نکل کر پوری دنیا میں پھیل گئیں، ساری کائنات اس کی روشنی سے منور ہوگئی اور صدیوں پر پھیلے جہالت کے پردے گر گئے۔ اس طرح جگر گوشہِ آمنہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آمد کا اعلان کر دیا کہ دنیا میں اب حق کا بول بالا ہونے والا ہے اور اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہونے جا رہا ہے۔ اس عظیم مقصد کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی نظرِ انتخاب عرب کی سرزمین پر پڑی تھی۔ دراصل یہ اللہ تعالیٰ کی سنت رہی ہے کہ وہ ہمیشہ ان ہی قوموں کو عروج بخشتے ہیں جو خود کو اس کے اہل ثابت کرتی ہیں اور جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے فرامین کو جھٹلاتی ہے، اس کی بنائی گئی حدود سے تجاوز کر جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو زوال پذیر کر دیتے، ذلت و رسوائی اس قوم کا مقدر بن جاتی ہے۔ جیسے بنی اسرائیل کی بن گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک زمانے میں دنیا کی امامت کرنے والی مسلمان قوم آج گردشِ زمانہ کی شکار ہو کر مدت ہائے دراز سے عذابِ الٰہی سے دوچار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت سے روگردانی، اپنے فرض منصبی سے پہلوتہی، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ سے ہتک آمیز سلوک نے انہیں زوال کی پستی میں لا پھینکا ہے۔ پوری دنیا کا منظرنامہ اٹھا کر

دیکھئے، آپ کو ہر جگہ امت مسلمہ بلکہ ملت مرحومہ تختہ مشق بنی ہوئی ملے گی۔ پھر چاہے وہ شام ہو، عراق ہو، فلسطین ہو، بوسنیا ہو، برما ہو، سنکیانگ ہو، مشرق وسطیٰ ہو یا کوئی اور مسلمان ملک ہو۔ ہر جگہ ملت مرحومہ ہی لٹ رہی ہے، پٹ رہی ہے اور در بدری کی ٹھوکریں کھا رہی ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ عالمی امن کے ٹھیکیدار جن کے دل کتے کے مرنے پر تڑپ اٹھتے ہیں، یہ سارا منظر دیکھنے کے باوجود بھی ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ملکوں کے ملک تباہ و برباد کر دیئے گئے، انسانی خون کی ہولی کھیلی گئی، ہزاروں عفت مآب بہنوں کی عصمتیں لوٹی گئیں، لیکن امن کے ٹھیکیدار پھر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ ملت اسلامیہ گو کہ اسے ملت مرحومہ کہنا ہی بہتر رہے گا، آج اگر اس دگرگوں صورتحال سے دوچار ہے تو اپنی تن آسانی، نااہلی اور نافرمانی کی وجہ سے ہے۔ غیروں کی سازشوں سے زیادہ یہ ملت مرحومہ کی اپنی کرم فرمائی کا نتیجہ ہے جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔

> **جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے فرامین کو جھٹلاتی ہے، اس کی بنائی گئی حدود سے تجاوز کر جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو زوال پذیر کر دیتے، ذلت و رسوائی اس قوم کا مقدر بن جاتی ہے۔ جیسے بنی اسرائیل کی بن گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک زمانے میں دنیا کی امامت کرنے والی مسلمان قوم آج گردشِ زمانہ کی شکار ہو کر مدت ہائے دراز سے عذابِ الٰہی سے دوچار ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت سے روگردانی، اپنے فرض منصبی سے پہلوتہی، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ سے ہتک آمیز سلوک نے انہیں زوال کی پستی میں لا پھینکا ہے**

بے شک اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسانی زندگی کے تمام جملہ معاملات میں رہنمائی کرتا ہے۔ پھر چاہے وہ سیاست ہو، معاشرت ہو، معیشت ہو، انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، کاروبار ہو یا ملازمت، عائلی قوانین ہوں یا قانون بین الممالک۔ غرض ہر شعبہ ہائے زندگی میں اسلام ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اس ساری صورتحال کو دیکھ کر، اس سارے پس منظر کو دیکھ کر یہ سوال ہمارے ذہنوں میں ضرور آنا چاہیے کہ ایک مکمل نظامِ زندگی، ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کے باوجود بھی مسلمان ہی سب سے زیادہ پریشان حال کیوں ہیں؟ سب سے زیادہ غربت و افلاس مسلمان ممالک میں ہی کیوں ہے؟ سب سے زیادہ آوارہ گرد، ناکارہ و ناخواندہ مسلمان ہی کیوں ہیں؟

مسجدوں کے سامنے مسلمان بھیک منگوں کی قطاریں کیوں لگی ہوئی ہوتی ہیں؟ ایسے سوال ہر ذی حس مسلمان کے ذہن میں ضرور ابھرنے چاہیے کہ ایک ایسی امت جس کے پاس چودہ سو سال پہلے زکوٰۃ کا ایک مکمل اور جامع نظام آیا ہو، جس کے ملک قدرتی وسائل سے مالا مال ہوں، انہیں یہ بات زیب دیتی ہے کہ اس کے یہاں غربت و افلاس اور جہالت و لاعلمی کے ڈیرے ہوں۔ کیا اس امت کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ اس کا کوئی بھی فرد رات کو بھوکا سوئے اور صبح کو روٹی ڈھونڈتے ڈھونڈتے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے؟۔ آخر اس امت کی حالتِ زار کی وجہ کیا ہے؟ کیا یہ سب کچھ غیروں کی کارستانی ہے یا پھر ہم خود بھی قصوروار ہیں؟۔ کوئی بھی عقل رکھنے والا انسان اگر اس سوال پر اور امت مسلمہ کی موجودہ حالت پر غور کرے تو اسے اس بات کا جواب ہاں میں ملے گا۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ غور کرنے کے علاوہ یہ امت سب کچھ کرتی ہے۔ اگر ہم باتوں پر غور کرتے، تدبر و تفکر کرتے، تو آج ہماری یہ حالت نہ ہوتی، ہمیں جوتے نہ پڑ رہے ہوتے۔ جب مسلمان غور و فکر، تدبر و تفکر، تحقیق و تصنیف کیا کرتے تھے تب مسلمانوں کے گھروں سے جابر بن حیان، ابو الہیثم، الزواہری، ابنِ رشد، الادریسی، محمد بن موسیٰ الخوارزمی، محمد بن موسیٰ شاکر، الاندلوسی، ابنِ سینا، امام غزالیؒ، امام ابنِ تیمیہؒ اور علامہ ابن القیم جیسے فلسفی، سائنسدان اور عالم و فقیہہ پیدا ہوتے تھے اور پوری دنیا پر ان کی علمی صلاحیتوں کی حکمرانی و دبدبہ ہوتا تھا۔ یورپ کے لوگ بھاگ کر مسلمانوں کی جامعات میں داخلے لیتے تھے۔ سمرقند و بخارا، بغداد و بصرہ، قرطبہ و نیشاپور مسلمانوں کی عظمت کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ لیکن صدیاں گزر گئیں نہ کوئی امام غزالی جیسا فلسفی پیدا ہوا اور نہ ابنِ سینا اور ابن حیان جیسا سائنسدان۔ وجہ بس یہ کہ:

جانتا ہوں میں یہ امت حامل قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندہ مومن کا دیں

اب اس امت نے غور و فکر کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اب یہ یہ امت اپنے فرض منصبی کو چھوڑ کر فروعی معاملات میں الجھ کر رہ گئی ہے۔ ان ہی فروعی معاملات میں الجھنے کی وجہ سے بڑے بڑے بحران

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو انسانی زندگی کے تمام جملہ معاملات میں رہنمائی کرتا ہے۔ پھر چاہے وہ سیاست ہو، معاشرت ہو، معیشت ہو، انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، کاروبار ہو یا ملازمت، عائلی قوانین ہوں یا قانون بین الممالک۔ غرض ہر شعبہ ہائے زندگی میں اسلام ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اس ساری صورتحال کو دیکھ کر، اس سارے پس منظر کو دیکھ کر یہ سوال ہمارے ذہنوں میں ضرور آنا چاہیے کہ ایک مکمل نظامِ زندگی، ایک مکمل ضابطہ حیات ہونے کے باوجود بھی مسلمان ہی سب سے زیادہ پریشان حال کیوں ہیں؟

اس امت کو درپیش آتے ہیں اور یہ چاروں خانے چت ہو کر مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرتی ہے۔ اس امت کے فروعی معاملات کیا ہیں جن میں یہ الجھی پڑی ہے، ذرا ان پر بھی نظر ڈالیئے۔ مثال کے طور پر ہم ان مسائل میں الجھ کر اپنی قوت (اگر کہیں بچی ہے) صرف کرتے ہیں کہ شیعہ کافر ہیں یا سنی، نماز کے دوران ٹوپی پہننی سنت ہے یا عمامہ باندھنا، شلوار کرتا پہننا سنت ہے یا کوٹ پتلون، اونچی آواز میں آمین کہنا سنت ہے یا پست آواز میں، سینے پر ہاتھ باندھنے ہیں یا سینے سے نیچے، تراویح آٹھ رکعت ہیں یا بیس رکعت۔ غرض ایسے ہی غیر ضروری مسائل میں پڑھ کر جو کہ مسائل ہیں ہی نہیں مسلمان ایک دوسرے کے گلے کاٹ کر اتحادِ امت کو پارہ پارہ کرتے ہیں۔ اس چیز کا سب سے زیادہ فائدہ اغیار قومیں اٹھاتی ہیں اور مل بانٹ کر پھر اس امت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتی ہیں۔ کہیں جمہوریت کے نام پر تو کہیں دہشت گردی کے نام پر۔ مگر امت مسلمہ ہے کہ عقل سے کام ہی نہیں لیتی۔

اگر آپ شعور کی آنکھ کھول کر اپنی موجودہ حالت پر غور کریں گے تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ امت کس سمت جا رہی ہے۔ ادھر یمن میں ہر سال لاکھوں بچے بھوک سے مر رہے ہیں اور ادھر ہم سینما گھر کھول رہے ہیں۔ ادھر فلسطین کی اینٹ سے اینٹ بجائی جا رہی ہے، یہودی مسجدِ اقصیٰ جو کہ مسلمانوں کا قبلہ اول ہے، اسے گرانے کی اسکیمیں بنا رہے ہیں اور ادھر اس امت کے نوجوان خرافات میں الجھے پڑے ہیں۔ ادھر ایک پڑوسی دو وقت کی روٹی کو ترس رہا ہے تو دوسرا پڑوسی ہر سال حج و عمرہ کر رہا ہے۔ کیا سینما کھولنا فلسطین کے تحفظ سے زیادہ ضروری ہے؟ کیا پیسے کمانا مسجد اقصیٰ سے زیادہ اہم ہیں؟ کیا اس امت کے حکمرانوں کو شرم نہیں آتی کہ یہودی مسجدِ اقصیٰ کو گرا رہے ہیں اور وہ اس کا تحفظ کرنے کے بجائے اسرائیل کو تسلیم کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جا رہے ہیں! کیا ہر سال حج و عمرہ کرنے سے یہ بہتر نہیں ہے کہ اپنے محلے میں کسی غریب کی مدد کی جائے، کسی یتیم کی کفالت کی جائے، کسی بے سر و سامان لڑکی کی شادی کر دی جائے تاکہ وہ بھی اپنا گھر بسا سکے؟ کیا اس امت کے مالدار آدمی اور صاحبِ ثروت طبقے کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ اس کے گلی محلے میں غربت و افلاس کے ڈیرے ہوں، اس کے پڑوسی بھوکے پیاسے ہوں اور وہ حج کرنے چلا جائے؟۔ کیا نئی مسجدیں تعمیر کرنے سے بہتر نہیں ہے کہ پرانی مسجدوں کی حالتِ زار پر بھی نظر دوڑائی جائے اور اپنی نوجوان نسل کو مسجدوں کی طرف متوجہ کیا جائے۔ آخر ان مسجدوں کا کرنا کیا ہے جب بیس تیس سال بعد ان میں کوئی نماز پڑھنے والا ہی نہ ہو؟۔ خدارا عقل کو استعمال کریں اور سوچیں کہ ہم کب تک اس روایتی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد سے اور مرغے کی ایک ٹانگ پکڑنے کی فرسودہ سوچ سے باہر نکلیں گے؟۔ کب تک ہم اپنے اپنے مسلک کے ساتھ بندھے رہیں گے؟۔ آخر اس امت کو ''بنیاں مرصوص'' کی طرح رہنے کو کہا گیا ہے۔ کب ہم اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنیں گے۔ کیا یہ خواہش بھی "اے بسا آرزو کہ خاک شد" ہو کر رہ جائے گی۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم ایک ایسے معاشرے کا حصہ ہیں بلکہ کرتا دھرتا ہیں، جہاں پر انسان اپنی ہی بنائی گئی روایات اور رسوم ورواج کا غلام بنا ہوا ہے۔ ان فرسودہ روایات کی بے جا پاسداری نے باقاعدہ ذہنی غلامی کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اسی ذہنی غلامی کا نتیجہ ہے کہ یہاں سفید جلد والے انسان کو خوبصورت، خواہ اس کا کردار کتنا ہی مشتبہ کیوں نہ ہو، ایماندار کو بیوقوف، شریف آدمی کو بزدل، غیرت مند انسان کو شدت پسند اور صاحبِ علم آدمی کو ذہنی مریض جیسے القابات سے نوازا جاتا ہے۔ یہ بات صرف کسی مخصوص ملک کی نہیں بلکہ من حیث القوم امت مسلمہ اس وقت اسی سوچ کی حامل اور ایسے ہی حالات کا شکار ہے۔ قرآن وسنت سے دوری نے اس امت کی حالت بنی اسرائیل قوم کے جیسے کر دی ہے۔ ذلت ومسکنت اس امت کا مقدر بنتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اغیار قومیں اس امت کو رگید رہی ہیں لیکن ہم ہیں کہ ٹس سے مس ہونے کا نام تک نہیں لیتے۔

بقولِ شاعر:

وائے متاعِ ناکامی کے کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

مسلمان قوم چاہتی ہے کہ انہیں عروج حاصل ہو لیکن عروج حاصل کرنے کے لئے جو قربانیاں دینی ہوتی ہیں ان سے یہ امت کترا رہی ہے۔ جہاں تک عروج وزوال کی بات ہے تو یہ گردشِ ایام کا کھیل ہے۔ جو قوم خود کو منواتی ہے اسے عروج حاصل ہوتا ہے اور جو قوم تن آسانی سے کام لیتی ہے اسے زوال کی پستی اپنانا پڑتی ہے۔ عروج حاصل کرنا ہر قوم کا حق ہوتا ہے اور ہمیشہ اسی قوم کو عروج حاصل ہوتا ہے جو خود کو اس کے اہل ثابت کرے۔ امت مسلمہ کو بھی اگر دوبارہ عروج کی منزلیں طے کرنی ہیں تو پہلے اسے خود کو منوانا ہوگا، خود کو اس کے اہل ثابت کرنا ہوگا بلکہ سب سے پہلے اس امت کو "امت بننا ہوگا"۔ تا حال یہ امت، امت نہیں بلکہ بھیڑ بکریوں کا ایک ہجوم ہے اور بھیڑ بکریوں کو عروج نہیں بلکہ چرواہے نصیب ہوتے ہیں جو انہیں مار مار کر سیدھا کر دیتے ہیں۔ فی الحال اس امت پر بھی اغیار قومیں اور ان کے حاشیہ بردار نام نہاد مسلمان حکمران چرواہے بن کر مسلط ہوئے پڑے ہیں۔ ستاون اسلامی ممالک ہونے کے باوجود بھی یہ امت در بدری کی زندگی گزار رہی ہے۔ ستم ظریفی یہ کہ مسلمان ممالک دشمن سے لڑنے کے بجائے آپس میں ہی باہمی دست وگریباں ہوئے پڑے ہیں، ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرنے میں مصروف ہیں۔ علامہ اقبال کے بقول:

ہم ان مسائل میں الجھ کر اپنی قوت (اگر کہیں بچی ہے) صرف کرتے ہیں کہ شیعہ کافر ہیں یا سنی، نماز کے دوران ٹوپی پہننی سنت ہے یا عمامہ باندھنا، شلوار کرتا پہننا سنت ہے یا کوٹ پتلون، اونچی آواز میں آمین کہنا سنت ہے یا پست آواز میں، سینے پر ہاتھ باندھنے ہیں یا سینے سے نیچے، تراویح آٹھ رکعت ہیں یا بیس رکعت۔ غرض ایسے ہی غیرضروری مسائل میں پڑھ کر جو کہ مسائل ہیں ہی نہیں مسلمان ایک دوسرے کے گلے کاٹ کر اتحاد امت کو پارہ پارہ کرتے ہیں۔ اس چیز کا سب سے زیادہ فائدہ اغیار قومیں اٹھاتی ہیں اور مل بانٹ کر پھر اس امت کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتی ہیں۔ کہیں جمہوریت کے نام پر تو کہیں دہشت گردی کے نام پر۔ مگر امت مسلمہ ہے کہ عقل سے کام ہی نہیں لیتی۔

اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی
آئیں گے غسال کابل سے، کفن جاپان سے

"چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی" کے مصداق بے مقصد زندگی گزارنا مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ ہمارا دین اور ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اعلائے کلمۃ کی سربلندی کی خاطر اتحاد و اتفاق سے رہنے کا درس دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد بھی اعلائے کلمۃ کی سربلندی ہی تھا۔ خدا نے انہیں بھیجا ہی اسی مقصد کی خاطر تھا تاکہ وہ لوگوں کی زندگیاں سنواریں، انہیں دین فطرت کی طرف بلائیں اور اللہ تعالیٰ کی سرزمین پر اللہ تعالیٰ کا نظام قائم کریں۔ اسی مقصد کی خاطر انہوں نے تئیس سال کی محنتِ شاقہ کے بعد ایک Bloodless Revolution برپا کیا جس کی نظیر ملنا ناممکن ہے۔ اسی مقصد کی خاطر انہوں نے طائف کی سنگ باری برداشت کی، شعب ابی طالب کی قید سہی، جنگ احد میں اپنے دندان مبارک کی شہادت گوارا کی اور ہجرت کی رات قریش کی طرف سے قتل کرنے کے سازش تک برداشت کی۔ لیکن اس کے باوجود بھی آپ نے اپنے مقصد کو کبھی ترک نہیں کیا۔ عرب جیسی ان پڑھ اور غیر مہذب قوم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلاب آفرین شخصیت نے دنیا کی سب سے متمدن قوم بنا کر دنیا کی امامت کے منصب پر فائز کیا۔ یہ صرف عربوں کی ہی بات نہیں کہ وہ عرب تھے اس وجہ سے وہ دنیا کی امامت پر فائز کر دیئے گئے بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلاب آفرین شخصیت کی بدولت ہی ممکن ہوسکا کہ عرب جیسی منتشر اور قبائلی رسوم و رواج میں بٹی ان پڑھ اور اجڑ قوم متحد ہوگئی اور دنیا کی حکمران بن گئی۔ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے بجائے دنیا کے کسی اور خطے میں بھی مبعوث ہوئے ہوتے تو عرب کے بجائے وہی قوم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے گئے آفاقی پیغام کی امین اور دنیا کی امامت کی حقدار قرار پاتی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرشماتی شخصیت کا وہ زریں پہلو ہے جس سے مسلمان تو ایک طرف غیر مسلم بھی متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے۔ ایک مغربی مفکر ڈاکٹر مائیکل ہارٹ اپنی کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلاب آفرین شخصیت کا اقرار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"My choice of Muhammad (PBUH) to lead the list of the world's most

influential persons may surprise some readers and may be questioned by others but, he was the only man in history who was supremely successful on both the religious and secular levels"

تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلاب آفرین شخصیت کا کمال تھا نہ کہ عربوں کی اپنی خصوصیت کہ عرب جیسی غیر منظّم قوم متحد ہو کر دنیا کی سب سے متمدن قوم بن گئی۔اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ جو قوم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کو مضبوطی سے پکڑے گی، دنیا کی امامت انہیں ہی دی جائے گی۔ یہی اللہ تعالیٰ کی سنت بھی ہے۔اس کے برعکس جو قوم اللہ تعالیٰ کے قوانین سے روگردانی کرے گی تو ذلت و مسکنت اس کا مقدر بنا دی جائے گی۔ کچھ یہی حال اس وقت امت مسلمہ کے ساتھ بھی ہو رہا ہے جو استعمار کی کھینچی ہوئی قومیت کی لکیروں سے دھوکہ کھا کر ایک دوسرے کے گلے کاٹ رہی ہے۔ بقولِ شاعر مشرق:

یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلاب آفرین شخصیت کی بدولت ہی ممکن ہو سکا کہ عرب جیسی منتشر اور قبائلی رسوم و رواج میں بٹی ان پڑھ اور اجڑ قوم متحد ہوگئی اور دنیا کی حکمران بن گئی۔ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے بجائے دنیا کے کسی اور خطے میں بھی مبعوث ہوئے ہوتے تو عرب کے بجائے وہی قوم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے گئے آفاقی پیغام کی امین اور دنیا کی امامت کی حقدار قرار پاتی۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرشماتی شخصیت کا وہ زریں پہلو ہے جس سے مسلمان تو ایک طرف غیر مسلم بھی متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستاں
مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل
خشت بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز

صرف اس بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کو ہماری طرف بھیجا گیا، مسلمان قوم اللہ تعالیٰ سے یہ شکایت بالکل بھی نہیں کر سکتی کہ دنیا کی امامت انہیں کیوں نہیں دی جاتی کہ امامت ان کا پیدائشی حق ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں۔ ہرگز بھی نہیں۔ اگر صرف پیغمبر اور کتاب کی بنا پر دنیا کی امامت عطا ہوتی تو یہود و نصارٰی (بنی اسرائیل) کی طرف بھی تو انبیاء، رسول اور الہامی کتابیں بھیجی گئیں تھیں۔ پھر انہیں دنیا کی امامت سے معزول کیوں کیا گیا؟۔ اصل میں خدا پر ایمان، رسول پر ایمان، خدا کی کتاب سے مضبوط رشتہ اور امامت کی اہلیت کا ہونا ضروری ہے۔ تب جا کے دنیا کی امامت عطا ہوتی ہے ورنہ بن مقصد کے اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنا اور مصلے بچھا کر رو رو کر خالد بن ولید، صلاح الدین ایوبی، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، موسیٰ بن نصیر اور قتیبہ بن مسلم جیسے سپہ سالاروں کے لئے دعائیں کرنا فضول ہے۔ اس لئے کہ کوئی خالد بن ولید، صلاح الدین ایوبی، طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم نہیں آنے والا بلکہ اس امت کے نوجوانوں کو ہی خالد بن ولید، محمد بن

قاسم، صلاح الدین ایوبی اور طارق بن زیاد بننا ہوگا۔ یہی سیرتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہے اور اسے اپنا کر ہی انشاء اللہ ہم اپنی دگرگوں تقدیر بدل سکتے ہیں۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

☆☆☆

جب مسلمان غور و فکر، تدبر و تفکر، تحقیق و تصنیف کیا کرتے تھے تب مسلمانوں کے گھروں سے جابر بن حیان، ابوالہیثم، الزواہری، ابنِ رشد، الادریسی، محمد بن موسیٰ الخوارزمی، محمد بن موسیٰ شاکر، الاندلوسی، ابنِ سینا، امام ابنِ تیمیہؒ، امام غزالیؒ اور علامہ ابن القیم جیسے فلسفی، سائنسدان اور عالم و فقیہہ پیدا ہوتے تھے اور پوری دنیا پر ان کی علمی صلاحیتوں کی حکمرانی و دبدبہ ہوتا تھا۔ یورپ کے لوگ بھاگ کر مسلمانوں کی جامعات میں داخلے لیتے تھے۔ سمرقند و بخارا، بغداد و بصرہ، قرطبہ و نیشاپور مسلمانوں کی عظمت کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ لیکن صدیاں گزر گئیں نہ کوئی امام غزالی جیسا فلسفی پیدا ہوا اور نہ ابنِ سینا اور ابن حیان جیسا سائنسدان

* مسیح الدجال*

دجال کون؟؟

ڈاکٹرعبدالروف

دجال: *احادیث کی نظر میں*

پچھلی قسط میں ہم نے دجال کے خروج کے علاقوں کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بیان کیا تھا۔اور بتایا تھا کہ حدیث کی رو سے وہ علاقے چار ہیں

1۔۔۔شام اور عراق 2۔۔۔خوزو کرمان 3۔۔۔خراسان

4۔۔۔اصفہان کا مقام یہودیہ

ہم یہ بھی بیان کر چکے ہیں کہ حدیث مبارکہ میں خروج دجال کی مخصوص جگہ کا واضح تعین کیوں نہیں۔

اب ہم مختصراً ان علاقوں کا جائزہ اور جغرافیہ اپ کے سامنے پیش کر کے مزید ذخیرہ حدیث کی طرف بڑھیں گے اور اس بات کو بیان کرنے کی کوشش کریں گے کہ ان علاقوں کا ظہور دجال کے ساتھ کیا تعلق ہے۔

*شام**

موجود ملک شام مشرق وسطی کا تقریبا ایک لاکھ پچاسی ہزار مربع کلومیٹر کے رقبے پر پھیلا دو کروڑ نفوس پر مشتمل اسلامی ملک ہے۔معنی کی تحقیق سے قطع نظر شام کا لفظ تاریخ میں ایک بڑے علاقے کیلئے استعمال ہونے والی ایک غیر واضح تاریخی اصطلاح ہے۔ اس کے مغرب میں لبنان، جنوب مغرب میں فلسطین اور اسرائیل، جنوب میں اردن، مشرق میں عراق اور شمال میں ترکی واقع ہے۔

اسلامی تاریخ میں شام غیر معمولی اہمیت کا حامل ملک رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب سلام اللہ علیہم اور ان کی اولاد بنی اسرائیل کا صدیوں سے اصل مسکن شام ہی رہا۔ شام میں مشہور دو مقامات، فلسطین میں بیت المقدس اور موجودہ شام کا دارالحکومت دمشق بہت اہم ہیں۔

قرآن مجید نے شام کو ارض مقدس اور ارض مبارکہ کا نام دیا ہے۔قوم ابراہیم،قوم لوط، عاد وثمود کی اقوام کے آثار شام ہی میں ہیں۔اور احادیث میں متعدد روایات میں شام کا ذکر ہے جس میں بالخصوص فتن،اور قرب قیامت کی علامات کے ضمن میں شام کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔

یہاں یہ ذکر بھی بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ احادیث مبارکہ میں شام سے مراد وہ موجودہ شام نہیں جس پر بشارالاسد کی حکومت قائم ہے بلکہ جیسے میں اوپر ذکر چکا ہوں کہ شام سے مراد ایک مخصوص وسیع وعریض علاقہ ہے جسے عربی کتب میں بلادِ شام The Levant کہا جاتا ہے۔ احادیث مبارکہ میں جس خطہ ارضی کو' شام' کہا گیا ہے' اس کی جغرافیائی حدود اس ملک سے بہت وسیع ہیں جسے معاصر دنیا' شام' Syria کے نام سے جانتی ہے۔موجودہ شام جو 1918 میں ایک کٹھ پتلی حکومت کے قیام کے نتیجے میں فرانس کے قبضے میں چلا گیا تھا۔اور پھر 1946 میں فرانس کے قبضے سے آزاد ہونے کے بعد دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا۔

تاریخ اسلامی میں شام The Levant کے نام سے جو علاقہ تھا وہ موجود دور میں فلسطین' اسرائیل' موجودہ ملک شام' اردن' لبنان سائپرس اور ترکی کے کچھ حصے پر مشتمل تھا۔

اہل علم اور جغرافیہ دان حضرات نے بھی شام کی حدود کم وبیش ایک ہی جیسی بیان کی ہیں جو لمبائی میں (شمالاً جنوباً) فرات سے عریش مصر اور چوڑائی میں (شرقاً غرباً) جبل طے سے بحیرہ روم تک ہیں۔

شام اور فتنہ دجال کا باہمی تعلق کیا ہے اس بات کو سمجھنے کیلئے درج ذیل امور پر غور کیا جائے۔

1۔۔شام چونکہ اسلام کا مرکز رہا اور فتنہ دجال کا اصل ہدف اسلام ہی ہے۔فطری طور پر حریفوں کی جنگ ایک ہی میدان میں ہوتی ہے۔اس لیے اس بات کا قوی امکان ہے کہ یہ فتنہ شام سے اٹھے۔

2۔۔فتنہ دجال کے اصل آلہ کار یہودی ہی ہیں اور یہودیوں کا اصل اور قدیمی مسکن شام رہا ہے اور یہودی اسلام کے خطرناک دشمن ہیں جو دجال کا انتظار کر رہے ہیں۔ظاہر ہے دجال انہی علاقوں سے تقویت پکڑے گا جہاں یہودی موجود ہیں۔اور یہ شام کا علاقہ ہے۔

3۔۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شام کی حدود بہت وسیع تھیں شام، عراق اور ایران کے علاقے متعدد تہذیبوں کا مرکز ہونے کے ساتھ ساتھ سب اسلامی ممالک تھے۔رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا ان علاقوں سے دجال کے ظہور کی بات کرنے سے دراصل یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ دجال ایک بہت بڑا فتنہ ہے جو اسلامی دنیا کے بڑے حصے کو اپنی لپیٹ میں لے کر اپنے جھوٹ اور فریب کے جال سے تاراج کریگا۔گویا احادیث میں شام و عراق اور ایران کے بیان کا مقصود بڑے پیمانے کا فتنہ ہے۔اور یہ ضروری نہیں کہ دجال صرف اسی حدود میں ہوگا بلکہ اس سے باہر بھی پوری دنیا میں اس کا دجل وفریب چلے گا۔

*عراق:

عراق بھی ایشیا کا چار کروڑ آبادی کا ایک اہم عرب اور مسلمان ملک ہے۔ یہ قدیم میسوپوٹیمیا (مابین النھرین)، قدیم شام کے کچھ صحرائی علاقوں اور مزید کچھ علاقوں پر مشتمل ہے۔اس کے جنوب میں کویت اور سعودی عرب، مغرب میں اردن، شمال مغرب میں شام، شمال میں ترکی اور مشرق میں ایران ہے۔ عراق دنیا کے قدیم ترین ممالک میں شامل ہے جس میں کئی تہذیبیں آباد اور برباد ہوئیں۔فلسطین کی طرح اسے بھی انبیاء کی سرزمین کہا جاتا ہے۔حضرت نوح علیہ السلام، اور حضرت ابراھیم علیہ السلام کا تعلق اسی علاقے سے تھا۔ 2003ء میں اس پر امریکا نے قبضہ کرلیا تھا جو تا حال جاری ہے۔ شیخ صاحب اور جانباز صاحب ۔۔۔۔امریکہ عراق سے نکل چکا ہے اور اب اس کی کٹھ پتلی حکومت عراقی عوام پر مسلط ہے؟ نجف، کوفہ، بصرہ، کربلا، سامرا، موصل اور کرکوک اس کے مشہور شہر ہیں۔ دریائے دجلہ اور فرات اس کے مشہور دریا ہیں۔ان کے درمیان کی وادی انتہائی زرخیز ہے اور اس میں سات سے نو ہزار سال سے بھی پرانے آثار ملتے ہیں۔اس کے علاوہ سمیری، اکادی، اسیریا اور بابل کی تہذیبیں اسی علاقے میں پروان چڑھیں اور فنا ہوئیں۔

یہود کا عروج زوال عراق سے وابستہ ہے

شام اورعراق کو مدینہ منورہ سے اگر اکٹھا کر کے بیک نظر دیکھا جائے تو یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ شمال اور شمال مغرب کی طرف بنتا ہے۔ تو اس سے لازمی طور پر عرب کا شمال ہے اور اگر ایران کو بھی دیکھا جائے تو یہ جزیرہ نما عرب کا مشرق ہے گویا دجال کا ظہور عرب کے شمال اور مشرق کے علاقے سے ہوگا

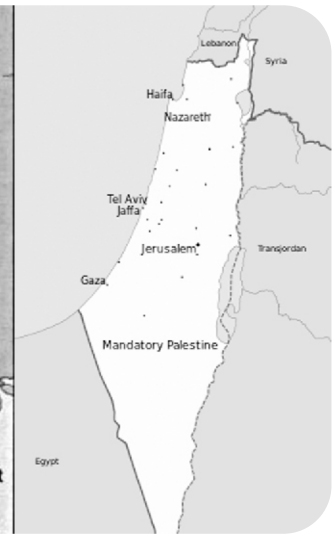

دورِ دجال اور بلادشام

جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ بلاد شام کی حدود موجودہ شام سے بہت زیادہ تھیں۔ اور بلاد شام تاریخی طور پر اسلامی مرکز اور انبیاء کی سرزمین رہا۔ اس لیے دجال کی بڑی یلغار شام پر ہی ہو گی۔ اور آخری دور میں اسلام وایمان پر کاربند بھی شام ہی کے لوگ ہوں گے۔

ذیل میں چند روایات پیش کی جاتی ہیں جن سے فتنوں کے دور میں شام کی اہمیت پر مزید روشنی ڈلتی ہے۔

حضرت معاویہ بن قرۃ رضی اللہ عنہ اپنے والد قرۃ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ترجمہ: ''جب اہل شام کی حالت (ایمانی) بگڑ جائے گی تو پھر اس اُمت میں کوئی بھلائی کی رمق باقی نہیں رہے گی۔ تو میری اُمت میں سے ایک گروہ ہمیشہ ایسا رہے گا کہ جسے قیامت تک اللہ تعالی کی تائید ونصرت حاصل رہے گی۔ جو انہیں ذلیل کرنا چاہے گا وہ ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا۔'' (سنن الترمذی ابواب الفتن۔۔ ماجاء فی الشام)

اس سے معلوم ہوا فتنہ کے عروج کے وقت دجال کا مقابلہ شام ہی کے لوگ کریں گے۔ اور انہیں اللہ کی خاص تائید حاصل ہو گی۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: ''اس دوران جبکہ میں سویا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ کتاب کا عمود میرے سر کے نیچے سے کھینچ لیا گیا' پس مجھے یہ یقین ہوگیا کہ اب یہ جانے والا ہے تو میری نگاہ نے اس کا پیچھا کیا اور وہ شام تک پہنچ گئی۔ خبردار! فتنوں کے وقت ایمان شام کی سرزمین میں ہوگا۔''

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ترجمہ: ''ہجرت (مدینہ) کے بعد ایک اور ہجرت ہوگی اور زمین پر موجود بہترین لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کی جگہ (یعنی شام) کی طرف ہجرت کریں گے اور بقیہ زمین پر صرف شریر لوگ باقی رہ جائیں گے۔'' (سنن الترمذی مناقب الشام والیمن)

علامہ البانی نے اس روایت کو 'صحیح' قرار دیا ہے۔ سلسلہ الصحیحہ (414-8/114)

بعض روایات میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نزول کے بارے میں یہی بشارت منقول ہے کہ دمشق کی مشرقی جانب موجود سفید منارے پر دو فرشتوں کے پَروں پر ہاتھ رکھے ہوئے ان کا نزول ہوگا۔ (سنن ابی داؤد کتاب الملاحم باب خروج دجال)

ایک اور روایت میں دورِ فتن میں سرزمین شام کو مسلمانوں کا وطن قرار دیا گیا ہے۔ حضرت سلمہ بن نفیل کندی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے کہا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے کہا: ترجمہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! لوگوں نے گھوڑوں کو حقیر سمجھ لیا ہے اور ہتھیار رکھ دیے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اب کوئی جہاد نہیں ہے' جنگ ختم ہو چکی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: یہ لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ جنگ تو اب شروع ہوئی ہے۔ اور میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر لڑتی رہے گی اور اللہ تعالی اقوام کے دلوں کو ان کے تابع کر دے گا اور اللہ تعالی انہیں ان سے رزق دے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہوجائے اور اللہ کا وعدہ آجائے۔ گھوڑوں کی پیشانیوں میں قیامت تک کے دن کیلئے خیر باندھ دی گئی ہے۔ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ مجھے اٹھا لیا جائے گا اور تم مختلف فرقوں کی صورت میں میری اتباع کروگے۔ اور ایک دوسرے کی گردنیں مارو گے۔ ان حالات میں شام اہل ایمان کا گھر ہوگا۔'' (سنن نسائی کتاب الخیل)

جناب ڈاکٹر عبدالرؤف کا تعلق ٹیکسلا سے ہے۔ معروف عالم دین، دانشور اور محقق ہیں۔ کشمیرالیوم کے مستقل کالم نگار ہیں اور بلا معاوضہ لکھتے ہیں

ماسٹر مشتاق احمد گلکار عرف حیدر علی شہیدؒ فنانشل چیف حزب المجاہدین

غازی اویس

(گزشتہ سے پیوستہ)

17 ستمبر 2003ء کو آپ کے گھر والوں نے آپ کا جسد خاکی اپنے آبائی علاقے کشتواڑ پہنچایا۔ آزادی اور اسلام کے فلک شگاف نعروں کی گونج میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ جلوس کے شرکاء سے قیم جماعت اسلامی ضلع ڈوڈہ جناب غلام نبی ناطق صاحب، جموں وکشمیر فریڈم مومنٹ کے راہنما محمد اقبال اگو صاحب، قاضی غلام نبی صاحب اور جامع مسجد کشتواڑ کے امام مولوی فاروق کچلو صاحب و دیگر زعماء کرام نے پُرجوش خطابات کئے۔ جنازے میں لگ بھگ ایک لاکھ کے جم غفیر نے شرکت کی۔ تاریخ کشتواڑ میں کبھی اتنا بڑا جنازہ نہیں دیکھا جتنا شہید موصوف کا تھا مرد وزن بچے، بوڑھے بھارتی پیرا ملٹری فورسز اور شیوسینا غنڈوں کے سامنے پاکستان زندہ باد، بھارت مردہ باد، بھارتی کتو واپس جاؤ، ظالمو جابرو کشمیر ہمارا چھوڑ دو کے نعرے بلند کرتے رہے، پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نے شہید موصوف کی شہادت کی خبر کو بھرپور کوریج دی۔ اِس موقع پر کشتواڑ کے معروف راہنما جماعت اسلامی کے امیر ضلع ماسٹر غلام نبی گندنہ صاحب نے شہید موصوف کو اِن الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا! عظمت کے کوہِ گراں شہید ماسٹر مشتاق احمد گلکار صاحب کی شہادت پوری ریاست کے لئے بالعموم اور ضلع ڈوڈہ کیلئے بالخصوص ایک عظیم سانحہ ہے۔ عام رائے تھی کہ مرحوم حیدر علی شہید رواں ماہ ستمبر 2003ء کے وسط میں تہاڑ جیل سے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ رہائی پا کر وطن مولوف کو لوٹ جائیں گے۔ مگر ظالموں نے مرحوم شہید کو تہاڑ جیل دہلی سے باہر قدم رکھنے نہ دیا۔ اپنی دانست میں بڑا کارنامہ انجام دیا، مگر مرتبہ شہادت کی اُنہیں کیا خبر" یہ رتبہ ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی شہادت کے ایک ہفتہ بعد شہید موصوف کی تدفین ہوئی۔ اُن کا بیٹا ارشد جمیل، بھائی انجینئر محمد اشرف صاحب اور برادر نسبتی ماسٹر محمد عباس دہلی پہنچے تو ظالموں نے پہلے تو شہید کمانڈر حیدر علی کی میت دینے سے انکار کر دیا پھر بڑی لیت و لعل کے بعد اِس شرط پر شہید کا لاشہ اُن کے سپرد کرنے پر راضی ہوئے کہ لواحقین اِس بات کی جھوٹی گواہی دیں کہ مرحوم طبعی موت مرے۔ یہ شرط کتنی مضحکہ خیز ہے اُس کا مطالبہ خود ظالموں کے ظلم کو آشکار کرتا ہے۔۔۔ شہید مشتاق احمد میرے شاگرد اور رفیق رہے ہیں اور میرے بچوں کے شفیق و کریم استاد بھی۔ اوائل عمری میں ہی تحریکِ اسلامی کے گرویدہ تھے۔

شہید حیدر علی

بے پناہ صلاحیتوں سے قرآن کریم اور حدیث کو حفظ کرنے میں زیادہ وقت گزارتے تھے۔ تقاریر و خطابات میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ جیل میں مدتِ اسیری کے دوران قرآن حفظ کر چکے تھے اور احادیث کا ایک بڑا حصہ از بر تھا۔ اُن کے خطوط اُن کی اچھوتی تمناؤں اور آرزوؤں کے آئینہ دار تھے۔ ضلع کشتواڑ کے ارکان مشتاق صاحب کی رہائی کا بے تابی سے انتظار کرتے رہے۔ اُن کے معمر والدین اُس کی دھڑکنوں کو اپنے سینوں کے اندر سن رہے تھے مگر اے بسا خاک شد! غم و اندوہ کے سمندر میں غوطہ زن ہیں اُن کے لواحقین نے بڑی مشکلات کے بعد جسد خاکی کو کشتواڑ پہنچایا تو سارا شہر ہی نہیں بلکہ دیہاتوں سے مرد وزن بچے بوڑھے ماتم کناں ہوئے کہ اِس قسم کا منظر کشتواڑ میں کبھی نہ دیکھا تھا نہ سنا تھا، ہر شخص ماسٹر مشتاق احمد گلکار صاحب کو بیٹا، بھائی، بابا کہہ کر رو رہا تھا۔۔۔ اُس کے علاوہ قائد حریت محترم سیّد علی شاہ گیلانی صاحب اور جماعت اسلامی جموں وکشمیر کے امیر نذیر کاشانی صاحب، حزب المجاہدین کے امیر اور متحدہ جہاد کونسل کے چیئرمین سیّد صلاح الدین صاحب، چیف آپریشنل کمانڈر غازی نصیر الدین صاحب، ڈوڈہ کے ڈویژنل کمانڈر جمشید مار کر، چناب ڈویژن کے ڈویژنل کمانڈر خطیب انصاری اور پیر پنچال ڈویژن کے ڈویژنل کمانڈر شاہنواز نے پرزور الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا اور اِس عزم کو دہرایا کہ شہید کمانڈر حیدر علی کا چھوڑا ہوا مشن پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے گا۔ اِن شاء اللہ اِس وقت صوبہ جموں میں جو مجاہدین سرگرم عمل ہیں، شہید کمانڈر حیدر علی، اصلاحی صاحب اور آپ کے پیشرو شہداء کا اِس میں خاص کردار ہے۔ اس لئے کہ آپ ہی لوگوں نے اِن مجاہدین کو جہاد کے راستے پر کھڑا کیا جس میں سے اکثر ساتھی شہادت کا مقام پانے میں کامیاب ہوگئے اور بعض اپنی جہادی سرگرمیاں بفضلِ تعالیٰ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

تیرا آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نور ستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

شہید حیدر علی کے متعلق مجاہد جنت گل بلوچی کی یادیں اسیر ساتھی غازی جنت گل جو چند سال قبل بھارتی جیل سے سزا کاٹ کر آئے ہیں جنہوں نے بھارتی زندانوں میں کئی سال گزارے صبر و استقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے۔ وہ بتا رہے تھے کہ کئی برسوں سے ہم بھارت اور مقبوضہ ریاست جموں وکشمیر کی مختلف جیلوں، انٹروگیشن سنٹروں، اذیت خانوں اور ٹارچر سیلوں میں تکالیف برداشت کرتے رہے۔ آزادی مانگنے کے جرم میں کئی بے گناہ کشمیری اور پاکستانی نوجوان آج بھی بے گناہی کی سزا کاٹ رہے ہیں۔ اُنہیں ناقص غذا اور خصوصاً نشہ آور دوائیں دی جاتی ہیں۔ کئی ایسے نوجوان بھی تھے جن کو ہم سے جدا کر کے یا تو شہید کر دیئے گئے یا لاپتہ کئے گئے۔ آج تک اُن کے والدین عزیز و اقارب کو اُن کا کوئی سراغ نہیں مل پا رہا ہے۔ بہت سارے ساتھیوں کے علاوہ حزبُ

المجاہدین کے ایک نامور کمانڈر شہید مشتاق احمد گلکار عرف حیدر علی کا خصوصی تذکرہ کیا۔ راقم سے کہنے لگا آپ کمانڈر ماسٹر مشتاق احمد گلکار کے رشتہ دار تو نہیں؟ وہ تہاڑ جیل میں میرے ساتھ قید تھے۔ میں نے کہا ہاں! وہ میرے استاد اور پڑوسی ہیں اور میدانِ کارزار میں اُن کے ساتھ کام کیا ہے۔ جنت گل مزید گویا ہوئے وہ جیل میں سخت بیمار ہوئے تھے کئی سال سے اُنہیں معدے کی تکلیف تھی اور بہت ہی نحیف ہو چکے تھے۔ اُنہوں نے بیماری کی حالت میں بھی ہماری ہمت بندھائی، ہمارا خاص خیال رکھتے تھے۔۔ ہماری حتی المقدور ہر حوالے سے خدمت کرتے، اُس کے ساتھ ساتھ ہماری ذہنی اور روحانی تربیت بھی کرتے رہے۔ اُنہیں علاج و معالجہ کی سہولت نہ ہونے کے برابر تھی۔ بالآخر اُنہیں زہریلا ٹیکہ لگا کر شہید کر دیا گیا۔ جب ہم نے مشتاق صاحب کی شہادت کی خبر سنی تو سارے ساتھی افسردہ اور پریشان ہوئے اِس لئے کہ اُن کا استاد بچھڑ گیا تھا جو اُن کی دینی تربیت کرتا اور اُن کے دکھ درد کا خیال رکھتا تھا۔ اُن کی شہادت سے قبل یہ بھی سننے میں آیا تھا کہ اُن کی سزا پوری ہو چکی ہے اب اُن کو رہا کیا جائے گا عدالت نے بھی اُن کی رہائی کے احکامات صادر کئے تھے۔ مگر بھارتی خفیہ اداروں اور ان کی بزدل فوج نے اُنہیں ایک شیطانی منصوبے کے تحت علاج معالجے کے بہانے جیل سے باہر نکالا اور زہریلا ٹیکہ لگا کر شہید کر دیا۔ دراصل بھارتی درندہ صفت فوج نے اُنہیں اپنے راستے سے ہٹانے کا کئی مہینے پیشتر منصوبہ بندی کر رکھی تھی۔ اُن ظالموں کو معلوم تھا کہ یہ شخص تحریکِ آزادی میں شمولیت سے قبل بھی مساجد، چوراہوں، اجتماعات اور جلسوں میں اسلام اور آزادی کی باتیں کیا کرتا تھا لہذا اُنہیں رہائی ملنے سے قبل ہی شہید کر دیا گیا۔

●●●

سید مودودیؒ کی رفاقت لے کر آیا ہوں:

اے۔ کے بروہی!

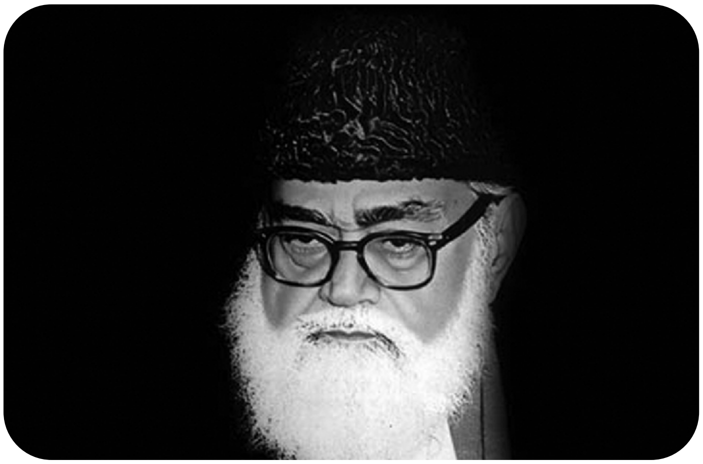

جب ایک جدید تعلیم یافتہ قانون دان نے سب کو رُلا دیا ...

یہ فلیٹیز ہوٹل کا لان تھا، 1973ء کا سال تھا۔ سٹیج پر بس چار ہی شخصیات براجمان تھیں، ان میں وزیر قانون جناب اے۔ کے بروہی، دیوبند کے جیّد عالم جناب مولانا محمد چراغ، سرحد کے نامور عالم دین مولانا سیاح الدین کاکاخیل اور جناب سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب تشریف فرما تھے۔ یہ تفہیم القرآن کی تکمیل کے موقع پر منعقد کی جانے والی تقریب تھی۔ شدید گرمی کا موسم تھا، منتظمین نے پنکھوں کا انتظام کر رکھا تھا لیکن حبس کی شدت کے آگے وہ پنکھے ناکافی محسوس ہو رہے تھے۔ کشادہ شامیانہ بھی تنگی داماں کی شکایت کر رہا تھا. لوگ شامیانے سے باہر دھوپ میں کھڑے مقررین کی گفتگو سن رہے تھے۔ پسینہ ایسے بہہ رہا تھا گویا جسم کی قید سے نکلنے کو بیتاب ہو۔۔۔ مولانا سیاح الدین کاکاخیل نے نہایت نفاست سے گفتگو فرمائی اور مولانا کی تفسیری خدمات کو سراہا، پھر دیوبند کے نامور عالم جناب مولانا محمد چراغ کی باری آئی، فرمانے لگے، " میں اپنے پس منظر کے سبب سید مودودی کی تحریک کے خلاف تھا، لیکن پھر ایک خواب نے میری کایا پلٹ دی، دیکھتا ہوں کہ بادشاہی مسجد زمین بوس ہو چکی ہے اور ایک اکیلا فرد تن تنہا اس کی بنیادوں کو کھڑا کر رہا ہے۔ میں اس فرد کے قریب پہنچا تو وہ سید مودودی رحمۃ اللہ علیہ تھے. میں نے ان سے کہا کہ آپ اکیلے کیسے اس مسجد کو مکمل کریں گے۔ سید نے جواب دیا کہ میں تعمیر پر معمور کیا گیا ہوں، مجھے اس سے غرض نہیں کہ عمارت کب مکمل ہوگی۔ مولانا چراغ کہتے ہیں میں نیند سے بیدار ہوا تو سیدھا سید کے پاس چلا آیا اور تعمیر کے کام میں اپنی خدمات کو وقف کر دیا کہ اب مرتے دم تک یہی تحریک میرا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ان کے بعد جناب اے کے بروہی مائیک پر تشریف لائے۔ اپنی کتھا کچھ یوں بیان کی۔

"حضرات میں ایک بیرونی تعلیم یافتہ قانون دان ہوں۔ میں نے قانون کے مضامین کو اس کی جڑوں سے سمجھا ہے۔ میں نے سید مودودی کا بیان سنا تھا کہ قرآن کو اسلامی دستور کا حصہ بنایا جائے، میں نے اعلان کیا کہ کوئی قرآن کو قانون کی کتاب ثابت کر دے تو میں اسے 5 ہزار روپے انعام دوں گا، غلام ملک صاحب نے سید کی تحریروں کے ذریعے مجھ پر یہ بات عیاں کر دی کہ دراصل قرآن ہی رہتی دنیا کیلئے حقیقی قانون کی کتاب ہے۔ اے کے بروہی آبدیدہ ہو کر کہنے لگے:

" مرنے کے بعد خدا مجھ سے پوچھے گا کہ کیا نیک عمل ساتھ لائے ہو تو کہوں گا سید مودودی کی رفاقت لیکر آیا ہوں!" یہ سن کر مجمع پر بھی رقت طاری ہو گئی۔ اسی دوران اچانک سے کچھ بادل نمودار ہوئے اور سورج کو ڈھانپ لیا۔ گویا اس پاکیزہ محفل کو ابر رحمت نے ڈھک لیا ہو اور بارش کے کچھ موٹے موٹے قطرے سامعین پر برسے اور پھر بارش تھم گئی۔ شامیانے کے باہر والے افراد بارش میں بھیگ گئے۔ اس ہلکی سی رم جھم نے سامعین کو سکون اور اطمینان بخشا اور سید مودودی کی جامع اختتامی گفتگو کے بعد تقریب اختتام پذیر ہو گئی۔

●●●

''اللہ تعالیٰ بھی تو قد کے مطابق جامہ دیتا ہے''

ریحان ہاشمی

استاذ محترم خلیل چشتی صاحب کی ایک تحریر نظر سے گزری جس میں سید مودودیؒ کے چاندی کے برتن اور مولانا منظور نعمانی کا اس پر اختلاف کا اشارہ کیا گیا شاید بہت سے حضرات اس واقعے سے نا آشنا ہوں ان کیلئے مکمل واقعہ سیدی کی بیٹی سیدہ حمیرہ مودودی کی کتاب شجر ہائے سایہ دار سے پیش خدمت ہے۔اس واقعہ سے سیدی کی مردم شناسی کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔لکھتی ہیں

"دارالاسلام میں جماعت اسلامی کے ایک اجلاس میں شرکت کیلئے مولانا منظور نعمانی صاحب اور مولانا جعفر پھلواری صاحب تشریف لائے اور دارالاسلام میں قیام پذیر ہوئے۔ابا جان نے انہیں گھر کھانے پر مدعو کیا اور احتیاط برتتے ہوئے اماں جان کو ہدایت کی کہ تانبے کی جن پلیٹوں میں ہم روزانہ خود کھانا کھاتے ہیں مہمانوں کیلئے بس انہی برتنوں کو دسترخوان پر چنا جائے۔انہوں نے اماں جان کو ہدایت کی کہ نہ اپنے شادی کے ڈنر سیٹ میں کھانا لگانا اور نہ گلاسوں کو موتیوں والے رومالوں میں ڈھکنا۔

اماں جان نے اصرار کیا کہ اتنے بڑے علماء دین میرے گھر آئیں اور میں ان کی عزت افزائی اور اکرام کیلئے اپنے اچھے برتن نہ نکالوں اور بس تانبے کے برتنوں میں انہیں کھانا کھلا دوں؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے!۔

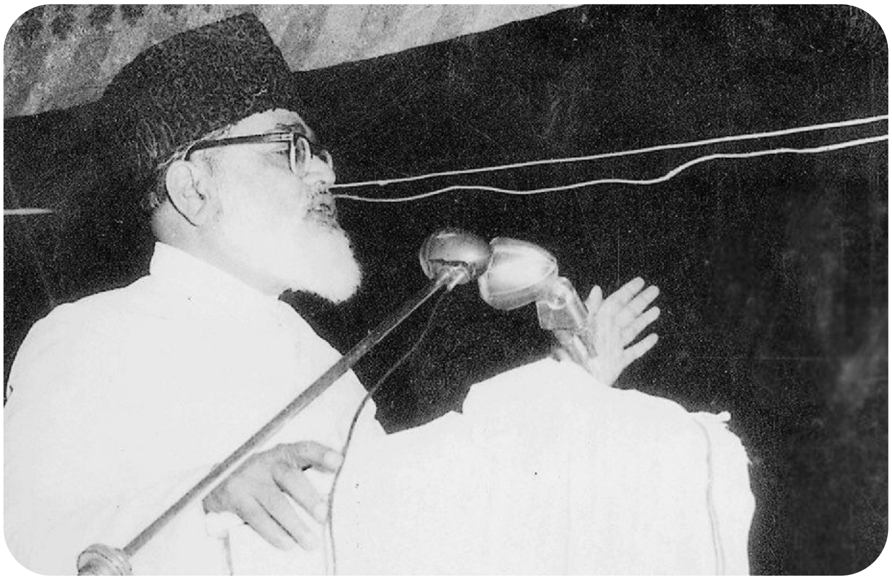

اسی طرح ابا جان نے یہ بھی ہدایت کی تھی کہ زیادہ پرتکلف کھانا نہ تیار کرنا،بس وہی دال دلیا دسترخوان پر پیش کر دینا جو ہم روزانہ کھاتے ہیں۔اماں جان پھر تڑپ اٹھیں اگر ہم بھی اپنے دینی حلقوں کو عزت نہیں دیں گے تو عام لوگوں سے اس کی کیسے توقع کریں گے؟ الغرض بہت پرتکلف کھانا پکایا گیا اور اماں جان نے اپنے بہترین برتنوں سے دسترخوان سجایا مہمان تشریف لائے کھانا کھایا اور چند روز بعد کھسر پھسر شروع ہوگئی جس کا انجام جماعت اسلامی سے ان دو بزرگوں کے استعفی کی صورت میں سامنے آیا۔ان حضرات گرامی قدر نے اپنے دائیں بائیں ملنے والوں سے کہنا شروع کیا مولانا مودودی دین داری کے لبادے میں دنیا دار آدمی ہیں۔مولانا کے گھر میں خانساماں کھانا پکاتا ہے،بچے آیا پالتی ہے۔آیا،مولانا کے بچوں کو گاڑی میں سیر کرانے لے جاتی ہے۔یہ بیوی آخر کس مرض کی دوا ہے؟ سنا ہے کہ مولانا کی بیوی ساڑھی پہنتی ہیں اور کبھی غرارہ۔پان لگانے کیلئے مولانا کا پان دان چاندی کی ہے یہ سب دین داری کے نام پر دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے۔

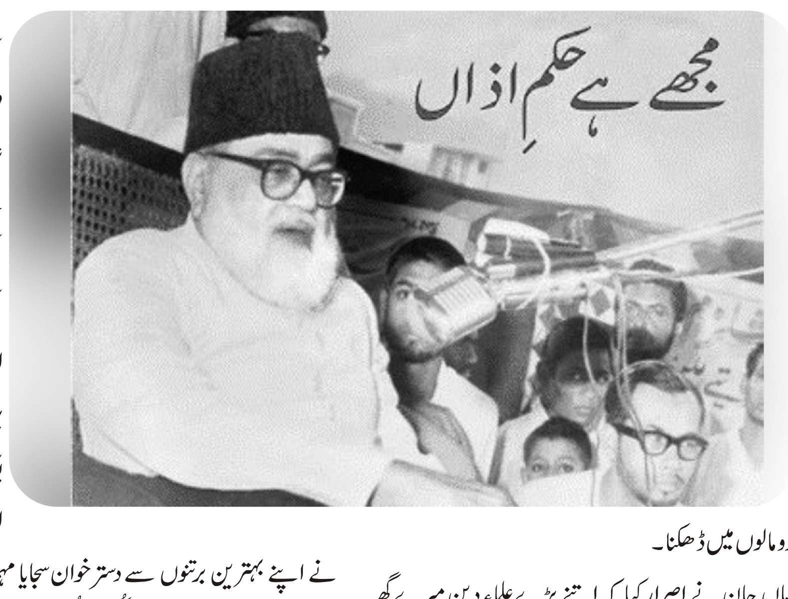

(حالانکہ یہ چاندی کی نہیں،تانبے کی تھی،جس پر قلعی کی ہوئی تھی)۔

دادی اماں نے یہ باتیں سنیں تو چھوٹتے ہی کہا:''اللہ تعالیٰ بھی تو قد کے مطابق جامہ دیتا ہے،بس اتنا ظرف ہے ان لوگوں میں''۔

اس واقعے کے بعد سے اماں جان نے کبھی ابا جان سے اختلاف کرکے اپنی بات نہیں منوائی۔انھیں ہمیشہ اس بات کا پچھتاوا رہا کہ اگر میں ان کی ہدایت کے مطابق سیدھا سادہ کھانا پکواتی اور تانبے کی پلیٹیں دسترخوان پر رکھتی تو یوں بات کا بتنگڑ نہ بنتا۔

☆☆☆

اسرائیلی دانشوروں کا یہودی قیادت پر عدم اعتماد

اسرائیلی دانشوروں کے مطابق اسرائیلی حکومت اپنے جابرانہ اورفسطائی طرزحکمرانی کی وجہ سے چونکہ عوامی اعتماد کھوچکی ہے

اقوام متحدہ کی طرف سے اسرائیلی وزیراعظم کو اجلاس عام میں خطاب کی دعوت دینا اسرائیلی ریاست میں غیر جمہوری رویوں کی حمایت کرنا ہوگا

ریاست اسرائیل کے آخری دن قریب آنے لگے ہیں اسی لیے بنی اسرائیل آپس میں اسی طرح دست وگریبان رہیں گے

ڈاکٹرساجد خاکوانی

ٹائمزآف اسرائیل 9 ستمبر2023ء کی اشاعت کے مطابق ساڑھے تین ہزار سے زائداسرائیلی ماہرین تعلیم، دانشور،ادیب،شاعر،اداکار،فنکار،سابقہ سفارت کار اور دیگراہم عوامی رہنماؤں نے 08 ستمبر بروزجمعۃ المبارک کوامریکی صدر جناب جوبائیڈن اوراقوام متحدہ کے معتمدعام جناب انٹونیو گوٹیرش کویادداشت پیش کی ہے۔اسرائیلی مملکت کے ان اہم ترین لوگوں نے امریکی صدراور اقوام متحدہ کے معتمدعام سے گزارش کی ہے کہ اسرائیلی وزیراعظم بن یامین نتن یاہوکو ملاقات کیلئے وقت نہ دیں۔دی یروشلم پوسٹ کے مطابق اس یادداشت میں یہ مطالبہ بھی کیا گیاہے کہ اقوام متحدہ جیسے عالمی ادارے سے اسرائیلی وزیراعظم کوخطاب سے روک دیاجائے اورانہیں خطاب کاموقع یااجازت نہ دی جائے۔یہودی دانشوروں کا اپنی سیاسی قیادت کے خلاف اس قدر اظہارنفرت اوراس مطالبے کاپس منظریہ ہے کہ ستمبر2023ء کے آخر میں نیویارک،مرکزاقوام متحدہ میں عالمی سربراہ اجلاس منعقد ہوچکاہے،جس میں پوری دنیاکے حکمرانوں سمیت اسرائیلی حکومتی سربراہ بھی شامل اجتماع ہوں گے اوریقینی طورپر ان کی امریکی صدراور اقوام متحدہ کے معتمدعام سے ملاقاتیں بھی طے کی جائیں گی۔اسرائیلی دانشوروں نے عالمی قیادت سے یہ مطالبہ اس لیے کیاہے کہ ان کے مطابق اسرائیلی حکومت اپنے جابرانہ اورفسطائی طرزحکمرانی کی وجہ سے چونکہ عوامی اعتماد کھوچکی ہے اس لیے بین الاقوامی قیادت بھی اسے ملاقات سے محروم رکھ کراسرائیلی عوام کی نفرین کاساتھ دیں۔ان ہزاروں اسرائیلی دانشوروں نے خطوط پر متفقہ دستخط کرکے امریکی انتظامیہ کے حوالے بھی کیاہے،جس میں انہوں نے بالاتفاق تحریرکیاہے کہ "جمہوری جدوجہد کے دل کی طرف سے؛وزیراعظم یتن ناہوجو بین الاقوامی ذرائع

ابلاغ کواپنی نام نہادعدالتی اصلاحات کے بارے میں فوائدوثمرات فراہم کرر ہے ہیں"،ان دانشوروں نے خط میں لکھاکہ اقوام متحدہ کی طرف سے اسرائیلی وزیراعظم کواجلاس عام میں خطاب کی دعوت دینا اسرائیلی ریاست میں غیر جمہوری رویوں کی حمایت کرنا ہوگی کیونکہ موجودہ حکمرانوں کی طرف سے جمہوری اداروں کو پامال کیاجارہاہے اوراپنی من مرضی قوم پر مسلط کی جارہی ہے۔دانشوروں نے اپنے خط میں یہ بھی لکھاہے کہ دنیاکے سب سے بڑے ادارے کے ہاں تقریرکرنے سے وزیراعظم یتن یاہوکواپنی بین الاقوامی بگڑی ہوئی ساکھ دوبارہ بنانے میں مددمل سکتی ہے حالانکہ اسرائیلی ریاست میں وہ اپنا اعتماد بری طرح سے تباہ کرچکے ہیں۔اس کی وجہ بتاتے ہوئے خط میں تحریرتھا کہ اسرائیلی وزیراعظم نے جمہوری اداروں کوتباہی کے دہانے پرلاکھڑاکیاہے اور225ایسی قانون سازیاں کی ہیں جوکہ جمہوری روایات کے بلکل برعکس ہیں،خط میں اسرائیلی وزیراعظم کے خلاف ریاست کے دفاع کوکمزورکرنے کے الزامات بھی لگائے گئے ہیں اوریہودی تاریخی روایات کے خلاف چلنے پربھی انہیں موردالزام ٹھرایاگیاہے۔اس خط کے دستخطیوں میں عالمی شہرت یافتہ متعددکتب کے مولف جناب ڈیوڈگراس مین،جناب ہاگائی لیون جو "سفیدکوٹ نامی اطباء(ڈاکٹرز) کی تنظیم کے سربراہ ہیں اورجناب آڈ ڈگولڈرچ جوماہرحساب دان کی حیثیت سے بین الاقوامی پہچان رکھتے ہیں اور2022ء میں اسرائیلی قومی تمغہ بھی سرکار سے حاصل کرچکے ہیں اوراس طرح کےاعلی ترین دیگردماغ بھی شامل ہیں۔

اس سے قبل امریکی حکومتی اہل کارنے ٹائمزآف اسرائیل کے نمائندے کو بتایا کہ اسرائیلی وزیراعظم سے امریکی صدر بیت الابیض (وائٹ ہاؤس) کی بجائے اقوام متحدہ کے دفاتر میں ہی ملاقات کریں گے۔اس سے امریکی اوراسرائیلی حکومتوں کے درمیان دوریاں ظاہرہوتی ہیں کیونکہ موجودہ وزیراعظم کی امریکی صدرسے ملاقات کوآٹھ ماہ سے زائدعرصہ گزرچکاہے اور یہ وقفہ امریکہ واسرائیلی ریاستوں کی قیادت کے درمیان طویل ترین خیال کیاجارہاہے۔تل ابیب اور واشنگٹن کے درمیان یہ عدم اعتماد کی فضا دسمبر2022ء سے موجودہے جس کی وجوہات میں اسرائیلی انتظامیہ کی بدنام زمانہ عدالتی

اصلاحات اور فلسطینیوں سے وعدہ خلافیاں بھی شامل ہیں اسرائیلی حکومت کے خلاف صرف اندرون ملک ہی بے پناہ نفرت نہیں بلکہ بیرون ملک بھی کوئی حکومت ابھی تک اسرائیلی قیادت سے ملنے کی روادار نہیں ہے کہ جس نے ملاقات کیلئے وقت کا تقاضا کیا ہو۔

ان حقائق سے اندازہ ہوتا ہے کہ صرف ساری دنیا ہی نہیں بلکہ اسرائیلی ریاست کی اپنی عوام بھی کس حد تک ان سے نالاں ہیں۔اتنے سارے دانشوروں اوراعلی تعلیم یافتہ لوگوں کا جو دنیا کے ہاں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہوں وہ اپنی یہودی قیادت سے اس قدر مایوس ہو چکے ہیں کہ اب بیرون ملک بھی وہ اس کوشش میں ہیں کہ اسرائیلی حکمرانوں کو نیچا دکھائیں۔ یہودیوں کا آپس میں لڑنا کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ یہ مکافات عمل ہے۔ یہ تاریخی طور پر ایک ناشکری قوم ہے اورانہوں نے ہمیشہ محسن کش رویہ اختیار کیے رکھا۔یہی قوم تھی جس نے اپنی آنکھوں سے فرعون کوغرق ہوتے دیکھااور پھربھی حضرت موسی علیہ السلام کی غیرموجودگی میں حضرت ہارون علیہ السلام کے بے پناہ انتباہ کے باوجود بچھڑے کی پوجا شروع کردی۔یہی قوم تھی جس نے جمعۃ المبارک کا مقدس ومحترم دن لینے کی بجائے فرعونیوں کا مقدس دن یوم سبت لینے پراسرار کیا کیونکہ ذہنی غلامی ان کے رگ وپے میں رچ بس چکی تھی۔ اورپھر ہفتے کے دن میں بھی حیلوں بہانوں سے جائز کوناجائز اور حرام کوحلال کرنے کی ناپاک کوششیں کیں۔اس قوم یہودی کی بداعمالیاں اور چیرہ دستیاں ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہیں جنہوں نے کتنے ہی انبیاء علیہم السلام کوقتل کیااور یہاں تک کہ محسن انسانیت ﷺ کے قتل کی سازش سے بھی باز نہ آئے۔اللہ تعالی نے ان پر بہت انعامات واکرام کیے لیکن یہ قوم بدترین ثابت ہوئی اوراللہ تعالی نے انہیں عالمی قیادت کے منصب سے معزول کردیااور قیامت تک کی امامت اقوام عالم امت مسلمہ کوعطا کردی۔قرآن مجید نے ان کے انجام پر، بہت پہلے سورۃ بقرہ میں تبصرہ کردیا تھا کہ (ترجمہ 61) اوران پر ذلت اورمحتاجی ڈال دی گئی اورانہوں نے غضب الٰہی کمایا، یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کوناحق قتل کرتے تھے، یہ اس لیے کہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔"۔چونکہ ریاست اسرائیل کے آخری دن قریب آنے لگے ہیں اسی لیے بنی اسرائیل آپس میں اسی طرح دست وگریبان رہیں گے،ایک دوسرے پرطعن وتشنیع کرتے رہیں گے،دنیا کے سامنے ایک دوسرے کو برہنہ کرتے رہیں گے اوران کے پشتیبان بہت جلدان سے تنگ آکرانہیں تن تنہا چھوڑ دیں گے اوران کا عدم اتفاق ان کے انجام بدکا باعث بن جائے گا اورفلسطینی مسلمان خدائی کوڑا بن کران یہود پر برسیں گے انہیں نیست ونابود کردیں گے اور بہت جلدامت مسلمہ سرزمین قبلہ اول کی وارث بنے گی،ان شاءاللہ تعالی۔☆☆☆

یہودیوں کا آپس میں لڑنا کوئی نئی بات نہیں ہے کیونکہ یہ مکافات عمل ہے۔ یہ تاریخی طور پر ایک ناشکری قوم ہے اورانہوں نے ہمیشہ محسن کش رویہ اختیار کیے رکھا۔یہی قوم تھی جس نے اپنی آنکھوں سے فرعون کوغرق ہوتے دیکھااور پھربھی حضرت موسی علیہ السلام کی غیرموجودگی میں حضرت ہارون علیہ السلام کے بے پناہ انتباہ کے باوجود بچھڑے کی پوجا شروع کردی۔یہی قوم تھی جس نے جمعۃ المبارک کا مقدس ومحترم دن لینے کی بجائے فرعونیوں کا مقدس دن یوم سبت لینے پراسرار کیا کیونکہ ذہنی غلامی ان کے رگ وپے میں رچ بس چکی تھی

ڈاکٹر ساجد خاکوانی معروف صحافی،دانشوراوراستاد ہیں، کشمیرالیوم کیلئے مستقل بنیادوں پر بلامعاوضہ لکھتے ہیں۔

مظلوم کشمیر

شاعر: انعام الحق انعام (اسلام آباد)

(قلم کاروان، منگل مورخہ 5 ستمبر 2023 میں پیش کی گئی)

یہ سرخ لہو یارو چھپ جائے گا کیا جانے
دیکھیں گی ابھی نظریں کیا اور خدا جانے

جلتے ہوئے گھر آنگن شعلوں میں دبی آہیں
آزادی سے جینے کی مسدود سبھی راہیں
بچوں سے بھرے مقتل فرعون کو شرمائیں
صیاد کو حاصل ہیں محفوظ کمین گاہیں
وارفتہ مزاجوں کی منزل کو خدا جانے

جب بند ہوں دروازے ہو مہر زبانوں پر
جب ظلم کی تاریکی پھیلی ہو زمانوں پر
اظہار کی ہر صورت لٹکی ہو سنانوں پر
مجبوروں کی جاں لینا جائز ہو گمانوں پر
کس روزنِ زنداں سے در آئے ہوا جانے

جذبوں کو کچلنے کی بارود سے تدبیریں
جینے کی تمنا پر ہیں موت کی تعزیریں
قوت سے تراشیدہ پندار کی زنجیریں
دیواریں ہی دیواریں تصویریں ہی تصویریں
پھیلے گی ابھی کتنی تصویرِ حنا جانے

اے کاش نہ یوں بے بس مظلوم کی آہ ہوتی
لاشوں کے تڑپنے پر ہر آنکھ گواہ ہوتی
انسان کے گرنے کی کوئی تو اتھاہ ہوتی
خوں ریزی بہر صورت محسوس گناہ ہوتی
اے کاش کہ ہر انساں ظالم کو برا جانے

ہے کفر تو صدیوں سے اب بھی اسے رہنا ہے
ظالم کی حکومت کو چلتے نہیں دیکھا ہے
تاریخ سے انساں نے کچھ بھی نہیں سیکھا ہے
قوت کا نشہ اکثر خوں پی کے بھڑکتا ہے
یہ رسم ہے انساں کو کس طور روا جانے

اس دور کے سورج سے اک رات جھلکتی ہے
خود علم کی وسعت بھی منزل کو ترستی ہے
اپنی ہی حرارت سے ہر لحظہ پگھلتی ہے
پھر کوکھ تمدن کی وہ زہر اگلتی ہے
تریاق سے پہلے ہی آجائے قضا جانے

سچائی کے سوتوں کو اب کون دبائے گا
ایمان کے شعلوں کو کیا کفر بجھائے گا
معبود پہاڑوں کو کس طور ہٹائے گا
اک اوجِ ہمالہ سے کس کس کو گرائے گا
گنگا کا پجاری ہے پتھر کو خدا جانے

یوں دیکھا ہے جذبے ہی تعزیر سے جیتے ہیں
زنجیر کے زندانی شمشیر سے جیتے ہیں
تصویر بنے پھر بھی تقریر سے جیتے ہیں
تنویرِ یقیں لے کر تقدیر سے جیتے ہیں
یہ شوق تو طوفاں میں جینے کی ادا جانے

اک جرم ہے حق تلفی تسلیم کیے جانا
بے مایہ خداؤں کو خود بھینٹ دیے جانا
جو زہر نظر آئے اس کو بھی پیے جانا
جو بول بھی سکتے ہوں وہ ہونٹ سیے جانا
وہ شان سے جیتا ہے سر جو بھی کٹا جانے

انعامؔ وہاں ذلت مقسوم نہیں رہتی
آزادی تمنائے موہوم نہیں رہتی
کمزور اگر ہو بھی مظلوم نہیں رہتی
وہ قوم زمانے میں محکوم نہیں رہتی
جو آن سے مرنے کی بھرپور ادا جانے

☆☆☆

کیا کشمیری تنہا رہ جائیں گے.....؟

محمد احسان مہر

عالمی کساد بازاری کے نتیجے میں معیشت کی زبوں حالی سے متاثر ممالک کی بحالی کیلئے کام کرنے والے دنیا کے طاقتور ترین ممالک کی تنظیم جی20 کے اجلاس کا بھارت میں انعقاد اقوام متحدہ کے بنیادی منشور اور انسانی حقوق کا کھلا مذاق ہے، بھارت مقبوضہ کشمیر میں اپنے ناجائز قبضہ کو مستحکم کرنے کیلئے بجٹ کا ایک بڑا حصہ خرچ کر رہا ہے، جس سے بھارت میں غربت کی لکیر سے نیچے بسنے والوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، اس اجلاس کے دوران جب مہمانوں کو سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے پیش کیے جا رہے تھے، دوسری طرف غریب بھارتی عوام ایک وقت کی روٹی کو ترس رہی تھی۔ کیا عالمی طاقتیں مظلوم کشمیریوں اور بھارتی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کمزور اقلیتوں کے تحفظ سے نظریں چرا کر مادیت پرستی کا ذہن لیے بھارتی تجارتی منڈیوں کو اہمیت دینے کیلئے تیار کھڑی ہیں ؟یا انہیں خطے میں بسنے والے لاکھوں انسانوں کی زندگیوں کو محفوظ بنانے میں اپنا کردار ادا کرنے کی ضرورت ہے، مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کرنے کی ضرورت پر زور دینے کی بجائے بڑی طاقتیں بھارت کے ساتھ مل کر علاقائی ترقی اور خوشحالی کے خواب بُن کر کشمیری عوام کے سامنے اپنے چہرے کا کون سا رخ پیش کر رہی ہیں؟ ایک طرف کشمیری عوام کی حق خودارادیت کی تحریک کی تائید و حمائیت، دوسری طرف بھارت کے ساتھ مل کر معیشت کے جھولے جھولنا۔۔جی 20 اجلاس کے رکن ممالک بالخصوص مسلمان ممالک کے سامنے یہ ایک بڑا سوالیہ نشان ہے ،اگر 57 اسلامی ممالک تمام تر وسائل اور صلاحیتوں کے باوجود مسئلہ کشمیر اور فلسطین جیسے تنازعات کو حل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تو اس کی وجہ معیشت کی کمزوری نہیں ۔باہمی نفاق، اقتدار کی ہوس، ہمت، عزم اور حوصلہ کی کمی، جرات اور بہادری کا فقدان اور ملکی وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم ، طبقاتی تقسیم ، اور انصاف کی فراہمی میں رکاوٹوں جیسی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔لیکن دیکھنا یہ کہ بھارت مقبوضہ جموں وکشمیر کی خصوصی حیثیت کے خاتمے اور کشمیری عوام کو انٹرنیٹ کی سہولیات سے محروم، دنیا کی سب سے بڑی جیل میں قید کر کے بدترین انسانی حقوق کی پامالیوں کے ساتھ کس منہ سے علاقائی ترقی اور خوشحالی کا خواب دیکھ رہا ہے؟ کیا جی20 ممالک جنوبی ایشیاء میں جارحانہ اور توسیع پسندانہ بھارتی عزائم سے بے خبر ہیں، کیا کشمیری تنہا رہ گئے ہیں۔۔۔؟

اگر 57 اسلامی ممالک تمام تر وسائل اور صلاحیتوں کے باوجود مسئلہ کشمیر اور فلسطین جیسے تنازعات کو حل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تو اس کی وجہ معیشت کی کمزوری نہیں ۔باہمی نفاق، اقتدار کی ہوس، ہمت، عزم اور حوصلہ کی کمی، جرات اور بہادری کا فقدان اور ملکی وسائل کی غیر منصفانہ تقسیم، طبقاتی تقسیم، اور انصاف کی فراہمی میں رکاوٹوں جیسی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔لیکن دیکھنا یہ کہ بھارت مقبوضہ جموں وکشمیر کی خصوصی حیثیت کے خاتمے اور کشمیری عوام کو انٹرنیٹ کی سہولیات سے محروم، دنیا کی سب سے بڑی جیل میں قید کر کے بدترین انسانی حقوق کی پامالیوں کے ساتھ کس منہ سے علاقائی ترقی اور خوشحالی کا خواب دیکھ رہا ہے؟

بھارتی افواج مقبوضہ جموں وکشمیر میں جس طرح مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل رہی ہے ، اور مودی کی قیادت میں ،بی۔جے۔پی۔اور آر۔ایس۔ایس۔نے بھارت میں جس طرح مسلمانوں، سکھوں، اور اقلیتوں کا جینا مشکل بنایا ہے، یہ بدترین مظالم بھارت کے ریاستی اداروں کی پشت پناہی میں کیے جا رہے ہیں۔اس وقت بھارت کی کئی ریاستوں میں خانہِ جنگی کی کیفیت بن رہی ہے جس کی عالمی میڈیا میں کئی بار رپورٹنگ بھی ہو چکی ہے ایسے بدترین حالات میں نئے معاہدے کرنا کئی طرح کے سوالات کو جنم دے رہے ہیں، کیا

مادیت پرستی انسانیت کے بلند و بانگ دعووں پر غالب آ گئی ہے، یا خطے میں لاکھوں انسانوں کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم رکھ کر ترقی و خوشحالی کا یہ سفر جاری رہ سکتا ہے، آخر کب تک۔۔۔؟ بھوک و افلاس سے مرنے اور خودکشیاں کرنے والے افراد کے ہاتھ بہت جلد ذمہ داروں کے گریبان تک پہنچیں گے، عالمی حالات و واقعات دیکھ کر بھی اگر کوئی سیکھ نہیں رہا اور طاقت کے گھمنڈ میں کسی خوش فہمی میں مبتلاء ہے تو آئیں مل کر مکافاتِ عمل کا انتظار کرتے ہیں۔ کشمیری عوام حق خود ارادیت کے حصول کی خاطر جس رہ پر چل رہے ہیں یہ سفر حصولِ منزل تک جاری رہے گا، اب کشمیری کسی کی باتوں میں آنے والے نہیں، کشمیری سمجھ چکے ہیں کہ پاکستان کی سفارتی، سیاسی اور اخلاقی حمایت کی ٹیڑھی لاٹھی انہیں سیدھا ہو کر چلنے بھی نہیں دے رہی،

جس دن کشمیری عوام نے یہ لاٹھی چھوڑ کر اپنے پاؤں پر چلنا شروع کر دیا علاقے میں بڑی تبدیلیاں وقوع پذیر ہو سکتی ہیں، اس لیے عالمی طاقتیں مسئلہ کشمیر کو سینڈوچ کے طور پر دیکھنے کی بجائے عالمی تناظر میں دیکھنے کی کوشش کریں، جنوبی ایشیاء میں ترقی و خوشحالی کا ہر راستہ مقبوضہ جموں و کشمیر سے ہو کر گزرتا ہے، اور کشمیری عوام کو نظر انداز کر کے آگے بڑھنا کسی طور سود مند ثابت نہیں ہوگا۔ بھارت صرف اتنا جان لے کہ خوبصورت خواب دیکھے تو جا سکتے ہیں لیکن ان میں حقیقت کا رنگ بھرنا خاصا مشکل ہوتا ہے، اس لیے زمینی حقائق کا ادراک کرتے ہوئے مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کیلئے سنجیدگی سے قدم اٹھائے، یقینی طور امن و سلامتی سے ہی خوشحالی کے راستے نکلتے ہیں۔

☆☆☆

جنوبی ایشیاء میں ترقی و خوشحالی کا ہر راستہ مقبوضہ جموں و کشمیر سے ہو کر گزرتا ہے، اور کشمیری عوام کو نظر انداز کر کے آگے بڑھنا کسی طور سود مند ثابت نہیں ہوگا۔ بھارت صرف اتنا جان لے کہ خوبصورت خواب دیکھے تو جا سکتے ہیں لیکن ان میں حقیقت کا رنگ بھرنا خاصا مشکل ہوتا ہے، اس لیے زمینی حقائق کا ادراک کرتے ہوئے مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کیلئے سنجیدگی سے قدم اٹھائے، یقینی طور امن و سلامتی سے ہی خوشحالی کے راستے نکلتے ہیں

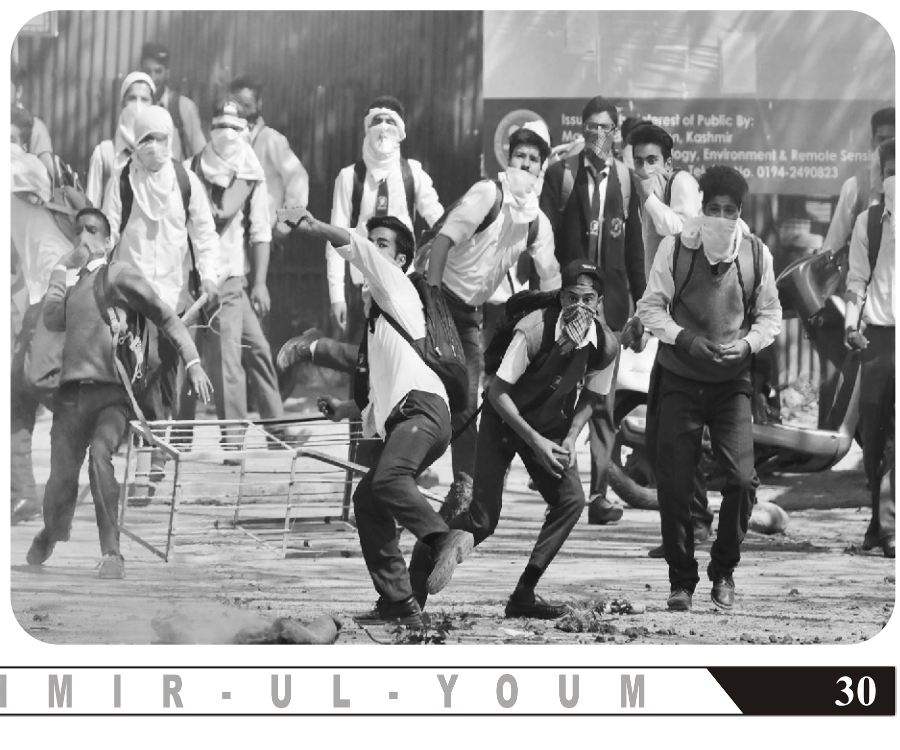

ابوقاسم کشمیری شہید کون تھے؟

عروج آزاد

میں فجر کی نماز پڑھا کر اپنے کمرے میں واپس پہنچا ہی تھا کہ فائرنگ اور شور کی آوازیں آئیں۔ نیچے پہنچا تو محمد ریاض میرے سامنے محراب کے قریب ہی سجدے کی حالت میں گرے ہوئے تھے۔ دو عینی شاہدین نے بتایا کہ پینٹ شرٹ میں ملبوس ایک شخص نے نماز کے بعد ہیلمٹ پہنا اور پھر پستول سے محمد ریاض پر فائرنگ کر دی۔ یہ الفاظ پاکستان کے زیر انتظام کشمیر میں راولاکوٹ کی مسجد القدس کے امام قاری مظفر کے ہیں جو محمد ریاض عرف ابو قاسم کشمیری نامی شخص کے قتل مقدمے کے مدعی ہیں۔

بھارت کے زیر انتظام کشمیر کے ضلع پونچھ سے تعلق رکھنے والے محمد ریاض، جن کو ابو قاسم کشمیری کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، کو 10 ستمبر جمعہ کے دن نماز فجر کے دوران پولیس کے مطابق ٹارگٹ کلنگ کا نشانہ بنایا گیا۔ خبر رساں ایجنسی رائٹرز کی رپورٹ کے مطابق محمد ریاض سابق کشمیری عسکریت پسند تھے جن کے والد اور ایک بھائی بھی ماضی میں قتل ہو چکے ہیں۔ کشمیر امور پر نظر رکھنے والے صحافی ماجد نظامی کے مطابق وہ بھارت کو مختلف مقدمات میں مطلوب تھے۔۔

تاہم بی بی سی سے بات کرتے ہوئے محمد ریاض کے ایک رشتہ دار نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر اس تاثر کو رد کیا کہ محمد ریاض عرف ابو قاسم کشمیری کا تعلق کس عسکریت پسند تنظیم سے تھا۔ محمد ریاض کے رشتہ دار کے مطابق مقتول کے 9 بچے ہیں۔ واضح

رہے کہ پاکستان اور بھارت میں سرکاری طور پر حکام اس موقع پر خاموشی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ عسکریت پسند گروپ حزب المجاہدین کے سربراہ سید صلاح الدین احمد نے ایک بیان میں محمد ریاض کے قتل کی مذمت کی ہے۔

محمد ریاض کا قتل ماضی میں بھارت کے زیر انتظام کشمیر کے جہادی کمانڈروں کی پراسرار شہادتوں کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو گزشتہ کچھ عرصہ سے جاری ہے۔ گزشتہ ایک برس میں اس سے قبل پاکستان کے مختلف شہروں میں ایسے ہی پانچ واقعات پیش آ چکے ہیں جن میں اہم کشمیری جہادی تنظیموں کے موجودہ اور سابق سرکردہ کمانڈر نامعلوم حملہ آوروں کے پراسرار ہدفی حملوں میں نشانہ بنے۔ جن میں معروف حزب رہنما کپواڑہ مقبوضہ کشمیر کے بشیر احمد پیر عرف امتیاز عالم بھی شامل ہیں۔

محمد ریاض عرف ابو قاسم کشمیری کون تھے اور کیا ان کا قتل بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے؟؟ اس سوال کے جواب سے قبل یہ جانتے ہیں کہ راولاکوٹ مسجد القدس میں کیا ہوا تھا؟؟ مسجد القدس کے امام قاری مظفر نے پولیس کو بتایا ہے کہ محمد ریاض اس شب ان کے پاس مہمان تھے جنھوں نے مسجد ہی کے ایک کمرے میں رہائش اختیار کی ہوئی تھی۔ قاری مظفر کے مطابق وقوعہ کی صبح انھوں نے فجر کی نماز پڑھائی تو محمد ریاض آخری رکعت میں شامل ہوئے تھے۔۔ ان کے مطابق جماعت ختم ہو جانے کے بعد جب وہ اپنے کمرے میں واپس جانے کیلئے نکلے تو محمد ریاض اپنی بقیہ نماز نوافل ادا کر رہے تھے۔ قاری مظفر اپنے کمرے میں پہنچے ہی تھے کہ فائرنگ اور شور کی آوازیں سن کر واپس آئے تو ان کو عینی شاہدین امیر حمزہ اور شفیق احمد نے بتایا کہ ایک شخص جس نے ٹراوزر اور شرٹ پہنی ہوئی تھی نے نماز کے بعد ہیلمٹ پہنا اور پستول سے محمد ریاض پر فائرنگ کر دی۔

محمد ریاض کا قتل ماضی میں بھارت کے زیر انتظام کشمیر کے جہادی کمانڈروں کی پراسرار شہادتوں کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو گزشتہ کچھ عرصہ سے جاری ہے۔ گزشتہ ایک برس میں اس سے قبل پاکستان کے مختلف شہروں میں ایسے ہی پانچ واقعات پیش آ چکے ہیں جن میں اہم کشمیری جہادی تنظیموں کے موجودہ اور سابق سرکردہ کمانڈر نامعلوم حملہ آوروں کے پراسرار ہدفی حملوں میں نشانہ بنے۔ جن میں معروف حزب رہنما کپواڑہ مقبوضہ کشمیر کے بشیر احمد پیر عرف امتیاز عالم بھی شامل ہیں

درج مقدمہ میں کہا گیا کہ فائرنگ کے دوران ایک اور شخص بھی مسجد سے بھاگا تھا۔ قاری مظفر کے مطابق وہ ملزم کو نہیں جانتے لیکن عینی شاہدین ملزم کو دیکھ کر پہچان سکتے ہیں۔ راولاکوٹ پولیس نے محمد ریاض کے قتل کو ٹارگٹ کلنگ قرار دیتے ہوئے مقدمہ نامعلوم ملزمان کے خلاف درج کیا ۔ درج مقدمہ میں کہا گیا ہے کہ نامعلوم ملزم یا ملزمان نے طے شدہ منصوبے کے تحت محمد ریاض کو قتل کیا۔ پولیس کی جانب سے درج ایف آئی آر نوٹ میں کہا گیا ہے کہ قتل ہذا سال رواں میں چھٹا ایسا واقعہ ہے۔ پولیس نے مقتول کی لاش کو پوسٹ مارٹم کیلئے سی ایم ایچ بھجوادیا جبکہ محمد ریاض کے ایک رشتہ دار کے مطابق محمد ریاض کا قتل ایک بڑی منصوبہ بندی کا حصہ لگتا ہے۔۔

بی بی سی نے محمد ریاض کے ایک قریبی رشتہ دار سے ان الزامات کے بارے میں بات چیت کی تو انھوں نے نام نہ ظاہر کرنے کی شرط پر بتایا کہ 1999 میں محمد ریاض جب صرف 17 برس کے تھے تو انھوں نے پاکستان کے زیرانتظام کشمیر میں نقل مکانی کر لی تھی۔ قریبی رشتہ دار کے دعوی کے مطابق محمد ریاض بھارت کے زیر انتظام کشمیر کو انتہائی مشکل اور تکلیف دہ حالت میں چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ نوے کی دہائی میں انڈیا کے زیرانتظام کشمیر میں جب ان کے علاقے میں 19 لوگوں کو کلہاڑیوں کے وار کر کے قتل کر دیا گیا تو محمد ریاض نے اہل علاقہ کے ساتھ مل کر احتجاج کیا جس کے بعد ان کو گرفتار کر لیا گیا اور کئی ماہ حراست میں رکھا گیا۔

حراست سے نکلنے کے بعد بھی کئی بار ہمارے گھر پر چھاپے پڑے اور حالات اتنے مشکل ہو گے کہ پہلے محمد ریاض اور پھر ان کے سب بہن بھائی ایک ایک کر کے بھارت کے زیرانتظام کشمیر سے نکل کر پاکستان کے زیرانتظام آزاد کشمیر پہنچ گے۔ انھوں نے بتایا کہ محمد ریاض نے آزاد کشمیر میں رہائش اختیار کرنے کے بعد پانچ سال دینی تعلیم حاصل کی اور ان کا کسی تنظیم سے تعلق نہیں تھا۔۔ وہ ضلع میر پور کے ایک مدرسے صوت الاسلام میں استاد کے فرائض انجام دیتے تھے۔ وہ کئی سال سے خاموشی سے زندگی گزار رہے تھے۔ مدرسے کے ساتھ وہ شہد اور ڈرائی فروٹ کا کاروبار کرتے تھے۔۔ محمد ریاض کے رشتہ دار نے بتایا کہ اس سے پہلے بھی ان کے خاندان کے لوگ مارے جا چکے ہیں جن میں محمد ریاض کے والد اور بھائی شامل ہیں۔ رشتہ دار کے مطابق محمد ریاض کے والد پہلے ممبئی اور

اس کے بعد سعودی عرب میں ملازمت کرتے رہے تاہم 2002ء میں انھیں زمینوں پر کام کرتے ہوئے بھارتی فوجیوں نے شہید کر دیا۔۔ واضح رہے کہ بھارت میں اس واقعے پر موقف اختیار کیا گیا تھا کہ محمد اعظم سے اسلحہ برآمد ہوا اور جب ان کو گرفتار کرنے کی کوشش کی گئی تو انھوں نے بھارتی فوجی اہلکاروں پر فائرنگ کی جس کے بعد جوابی کاروائی میں وہ مارے گے۔ قریبی رشتہ دار کے مطابق 2018 میں محمد ریاض کے ایک اور بھائی حافظ محمد اسماعیل جو پاکستان کے صوبہ پنجاب میں انگریزی کے مضمون میں ماسٹرز کر رہے تھے، کشمیر کے کنٹرول لائن کے علاقے بجیرہ میں نماز پڑھانے گے ہوئے تھے تب ان کو کنٹرول لائن پار سے ٹارگٹ بنا کر قتل کر دیا گیا تھا۔۔ کشمیر امور پر نظر رکھنے والے صحافی ماجد نظامی کے مطابق محمد ریاض پر بھارت میں مختلف مقدمات قائم ہیں۔ کچھ تو پرانے ہیں تاہم زیادہ مقدمات اس سال میں بھارت کے زیرانتظام کشمیر میں ہونے والے مختلف حملوں کے حوالے سے درج ہیں۔ ابھی تک کی ہماری اطلاعات کے مطابق محمد ریاض انڈیا کو مطلوب تھے۔

ماجد نظامی کا کہنا تھا کہ ابو قاسم کشمیری نام کی بازگشت گزشتہ کچھ عرصہ سے انڈیا اور انڈیا کے زیرانتظام کشمیر میں سنی جا رہی تھی۔ انڈیا میں یہ تاثر عام ہے کہ ابو قاسم کشمیری یا محمد ریاض لشکر طیبہ کے کمانڈر ساجد جٹ کے بہت قریب ہیں۔ ماجد نظامی کے مطابق محمد ریاض کا نام انڈیا کے زیرانتظام کشمیر میں اس سال ہونے والے چار بڑے واقعات میں لیا جاتا رہا ہے جن میں سے ایک ڈانگری کا واقعہ ہے جہاں سات لوگ مارے گئے تھے اور ان سب واقعات کا ماسٹر مائنڈ محمد ریاض یا ابو قاسم کشمیری کو قرار دیا گیا۔

ان کا کہنا تھا کہ انڈیا میں الزام عائد کیا جا رہا ہے کہ محمد ریاض فنانسر تھے جنھوں نے ان واقعات میں لاجسٹک سپورٹ فراہم کی تھی اور وہ عموماً ایسے واقعات کیلئے سرمایہ فراہم کرتے تھے۔

صحافی فیض اللہ خان نے بی بی سی سے بات کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان اور پاکستان کے زیرانتظام کشمیر میں محمد ریاض سے پہلے بھی جن لوگوں کا انڈیا کے زیرانتظام کشمیر میں عسکریت پسندی کے حوالے سے نام لیا جا رہا تھا، پر اسرار اور مختلف حالات میں قتل ہوئے ہیں۔ فیض اللہ خان کا کہنا تھا کہ اب جو لوگ مارے گئے ہیں ان کا تعلق لشکر طیبہ، جیش محمد، البدر اور حزب المجاہدین سے بتایا جاتا رہا ہے۔ قصہ مختصر کہ انڈیا مقبوضہ کشمیر پر تو حملے کر ہی رہا ہے اور وہاں اس نے سیاسی رہنماؤں کو قید و بند میں رکھا ہوا ہے تا کہ وہ آزادی کیلئے جدوجہد نہ کر سکیں لیکن افسوس وہ پاکستان کے اندر بھی ایسی عظیم شخصیات کو ٹارگٹ کر رہا ہے جن کے دلوں میں جہاد اور آزادی کی شمع روشن ہے۔۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ابو قاسم اور امتیاز عالمؒ سمیت تحریک آزادی کشمیر کے دیگر تمام شہدا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

☆☆☆